بسم الله الرحمن الرحیم

علمی - تحقیقی ششماہی مجلّہ

انجمن علمی قرآن اور حدیث (اردو)

ذکروفکر

سال اول شمارہ: ۱مارچ ۲۰۲۲ (شعبان ۱۴۴۳)

المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

پیشکش:شعبہ قرآن اور حدیث _ شعبہ تحقیق

سرپرست: ڈاکٹر سعید ارجمند فر

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر جابر محمدی

اڈیٹر: ڈاکٹر سید محمد علی عون نقوی

اجرائی مدیر: عون علی جاڑوی

خط وکتابت: قم، خیابان ساحلی جنوبی، نزد مصلی قدس، پل ۱۹دی

پوسٹ کوڈ: ۳۷۱۳۹۱۳۵۵۴

ٹیلیفون/فکس: ۳۲۱۱۴۱۸۵-۳۲۶۱۳۸۷۵

تعداد: الکٹرانک

تعداد صفحات: ۱۰۷

Web: *mou.ir/ur*

Email: *zikrofikrmag@gmail.com*

مجلس تحریر

علی محمد نقوی	رکن علمی بورڈ علیگڑھ یونیورسٹی (ہندوستان)
ماہرخ مرزا	چانسلر معین الدین چشتی یونیورسٹی (ہندوستان)
زاہد علی زاہدی	رکن علمی بورڈ کراچی یونیورسٹی (پاکستان)
سید محمد علی عون نقوی	رکن علمی بورڈ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، (ہندوستان)
جابر محمدی	استاد المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی (پاکستان)
عون علی جاڑوی	استاد المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی (پاکستان)
ثروت رضوی	ISI علمی تحقیقی مجلّہ (پاکستان)

ڈپٹی ریسرچ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ

کی طرف سے

اس مجلّہ کی سطح، طلباء کی علمی انجمنوں سے مختص

علمی جریدہ کے طور پر معین کی گئی ہے۔

اس مجلّہ کے لئے مقالہ لکھنے کے رہنما اصول

۱۔ مقالہ میں درج ذیل موارد کا ہونا ضروری ہے:

عنوان، خلاصہ، کلیدی کلمات، مقدمہ، موضوع کی وضاحت (یعنی تحقیق کا اصلی سوال)، تحقیق کے نظریاتی مبانی (یعنی کلیدی کلمات کی وضاحت)، تحقیق کی روش، مقالہ کی تحریر، نتیجہ گیری، منابع کی فہرست

۲۔ صرف ایسے مقالات کو مجلّہ میں قبول کیا جائے گا جو پہلے کسی بھی جریدے میں نہ چھپے ہوں۔ اور مصنف اس مقالے کو کہیں دوسری جگہ چھاپنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

۳۔ مقالہ میں تحریر شدہ مطالب کی علمی اور حقوقی طور پر تمامتر ذمہ داری خود مصنف پر عائد ہو گی۔

۴۔ مجلّہ کو مکمل حق ہے کہ وہ مقالے کو قبول یا رد کردے۔

۵۔ مقالہ کو چھاپنے کے بارے میں آخری فیصلہ مجلس ادارت کی سفارشات کے مطابق، چیف ایڈیٹر کو ہوگا۔

۶۔ مقالہ کم از کم ۷ صفحات اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ (ہر صفحہ = ۲۵۰ الفاظ)

۷۔ اس مجلے کے مطالب کو مصدر کا تذکرہ کرتے ہوئے نقل کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ مقالہ کی تحریر میں "علوی نستعلیق" کا فونٹ سائز ۱۴ استعمال کرنا ہوگا۔

۹۔ آخر میں منابع کی فہرست کو حروف الفباء کی ترتیب سے (حسب ذیل) مرتب کیا جائے گا:

اگر کتاب ہو تو: پہلے مصنف کا خاندانی نام، پھر مصنف کا اصلی نام، (کتاب کے نشر ہونے کا سال) **کتاب کا نام** "بولڈ فونٹ"۔ مترجم کا نام (اگر ترجمہ ہے)، چھاپ کا نمبر، مقام نشر، ناشر۔

اگر مقالہ ہو تو: پہلے مصنف کا خاندانی نام، پھر مصنف کا اصلی نام، (مقالہ کے نشر ہونے کا سال) **مقالے کا نام** "بولڈ فونٹ"۔ جریدے کا نمبر، جریدہ کے صفحوں کی تعداد۔

۱۰۔ خود تحریر میں منابع کے لیے ارجاعات: مصنف کا نام، نشر کا سال، صفحہ نمبر (توجہ رہے: فٹ نوٹ یعنی صفحہ کے نیچے نہیں بلکہ متن کے اندر ہی بریکٹ کے درمیان چھوٹے فونٹ سے لکھا جائے گا)

۱۱۔ صرف خاص موارد جیسا کہ مخصوص الفاظ کی انگلش میں معادل اصطلاح، یا الفاظ کی تشریح یا کسی چیز کی اضافی وضاحت کو فٹ نوٹ (اسی صفحے کے نیچے) لایا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ مقالہ نگار کو چاہئے کہ اپنا مقالہ مجلے کی ای میل پر ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنا علمی، اور تحصیلی تعارف بھی ارسال کرے۔

۱۳۔ مقالہ کے چھپنے کے بعد مجلے کا دفتر اس بات کا پابند ہے کہ اس مجلّہ کا ایک الکٹرانک نسخہ مقالہ نگار کو اس کے ای میل پر ارسال کرے۔

۱۴۔ مجلے کا ای میل ایڈریس: zikrofikrmag@gmail.com

فہرست مقالات

اداریہ ۸

قرآن مجید کی روشنی میں خوف خدا کا مقام ۹
سید ریحان نقوی، ڈاکٹر جابر محمدی

اثم، عصیان، اور ہبوط اور ان کے مشتقات کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق ۲۳
سلمیٰ بتول جاڑوی، عون علی جاڑوی

قرآن کی نظر میں انسان کی علمی ترقی کی اہمیت ۳۳
بتول فاطمہ عابدی، سید محمد علی عون نقوی

قرآن اور سُنت کی روشنی میں صحت کے اصول ۴۹
تہمینہ عباس، ڈاکٹر جابر محمدی

قرآن کریم کی نظر میں دینی انحرافات کے عوامل ۶۱
عطیہ کاظمی، عون علی جاڑوی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ ۷۷
سیدہ ملیکہ فاطمہ نقوی، ڈاکٹر جابر محمدی

مفسر قرآن حجت الاسلام والمسلمین آقای محسن قرائتی کی قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ ۹۳
سیدہ عدیلہ فاطمہ نقوی، عون علی جاڑوی

اداریہ

المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی کے شعبہ قرآن اور حدیث میں اردو سیکشن کی خدمات کو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور ہماری دیرینہ خواہش تھی کہ اس شعبہ میں تحصیل علم میں مصروف طلبا اور طالبات کو علمی اور تحقیقی کاموں میں فعال کردار ادا کرنے کے لیے ان کی تحقیقات کو ایک جریدہ کی صورت میں منعکس کیا جائے، اللہ تعالی کے انتہائی مشکور ہیں کہ اس نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ مجلّہ **ذکر و فکر** کے عنوان سے اس کام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

عصر حاضر میں جہاں ہر قسم کی مصنوعات کو آئے دن مختلف اسالیب اور انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں دین مبین اسلام اور اہل بیت علیہم السلام کی خالص تعلیمات کو عام کرنے کے لیے بھی تعلیمی اداروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی معارف کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور آسان طریقوں سے اپنے مخاطب تک پہنچانے کا انتظام کریں تاکہ ان تعلیمات کو دنیا میں عام کیا جاسکے اور آٹھویں لعل ولایت حضرت امام رضا علیہ السلام کی اس حدیث شریف کے مطابق جس میں فرمایا ہے کہ: فَإِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُونَا (عیون إخبار الرضا علیہ السلام، ج۱، ص۳۰۷) اگر لوگوں کو ہماری کلام کے محاسن کا علم ہو جائے تو ہماری اتباع کرنا شروع کردیں گے۔

قرآنی معارف میں غور و فکر کرنا اور اس کے دقیق معانی و مفاہیم کو آسان الفاظ میں پیش کرنا آج کی جوان نسل کے لیے ایک لازمی امر ہے، چونکہ جوں جوں دنیا میں ٹیکنالوجی کو فروغ مل رہا ہے اس سے نئے نئے سوالات جنم لے رہے ہیں جن کا تعلق مختلف دینی موضوعات سے ہو سکتا ہے اور ان کا معقول اور مستدل جواب دینا بھی ان دانشوروں، محققین اور ماہرین علوم دینی کی ذمہ داری ہے جنہوں نے اس شعبے میں اپنی زندگی کے قیمتی ایام صرف کیے ہیں۔ لہذا اس علمی اور تحقیقی مجلے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اعلی تعلیم میں مصروف طلبا اور طالبات کی تشویق اور ترغیب ہے تاکہ وہ مستقبل قریب میں تحقیق کے مختلف میدانوں میں عصری تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنی تحقیقات پیش کرسکیں اور آج دنیا میں بالخصوص اسلامی دنیا میں موجود شدت پسندی اور باہمی کشمکش کا معقول طریقے سے مقابلہ بھی کیا جاسکے۔ آخر میں ادارہ، محققین، اساتذہ کرام اور ان تمام ذمہ داران خاص طور پر **المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی کے شعبہ تحقیق اور تولید محتوا** کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اس علمی جریدہ کی تشکیل اور نشر و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

امید ہے مجلّہ کی بہتری کے لئے محترم قارئین اپنی قیمتی آراء سے نوازتے رہیں گے۔

اپنے نقطہ نظرات اور تجاویز کو مجلّہ کے ای میل پر ارسال فرمایئے گا۔ شکریہ

قرآن مجید کی روشنی میں خوف خدا کا مقام

نویسندہ: سید ریحان نقوی[1]

نظرثانی: ڈاکٹر جابر محمدی[2]

خلاصہ

اس تحریر کا بنیادی مقصد اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں خدا سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس مقصد کے حصول کے لئے تین قرآنی کلمات کی بررسی کی گئی ہے جو کہ 'خوف'، 'خشیت اور 'تقویٰ' ہیں۔ ان الفاظ اور ان کے مشتقات کا ترجمہ قرآن مجید کے اردو تراجم میں عموماً ڈر یا ڈرنا جیسے الفاظ کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اردو زبان میں عام طور پر 'ڈر' اور 'خوف' ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح خدا سے ڈرنا عام بول چال میں کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ مختلف تفاسیر کا مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ 'خوف'، 'خشیت' اور 'تقویٰ' مختلف قسم کے ڈر ہیں۔ 'خوف' وہ ڈر ہے جو کسی خطرے یا ضرر رساں چیز کی آگاہی کے نتیجے میں پیدا ہوتا۔ نیز خدا سے ڈرنے کا مطلب خدا سے خوف کھانا نہیں ہے بلکہ خدا کی خشیت رکھنا ہے۔ نیز تقویٰ سے مراد بھی خدا سے خوف کھانا نہیں بلکہ خدا کی نافرمانی سے بچاؤ ہے۔ یہ نتیجہ مختلف قرآنی آیات اور مختلف تفاسیر سے مراجعہ کرنے کی مدد سے اخذ کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: تفسیر، قرآن، خشیت، خوف، تقوی

تعارف

مسلمان معاشروں میں بالعموم مندرجہ ذیل جملات کثرت سے سننے کو ملتے ہیں: خدا سے ڈرو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا، کیا تمہیں خدا سے ڈر نہیں لگتا؟ خدا کا خوف کرو؟ فلاں کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے وغیرہ۔ درحقیقت اس قسم کے جملات اردو، پنجابی، سرائیکی و برصغیر کی دیگر زبانوں کے علاوہ فارسی زبان

۱ . تفسیر اور علوم قرآن، ایم فل کے طالب علم، ناروی

۲ . کورس منیجر، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

میں بھی عموماً استعمال کئے جاتے ہیں بلکہ انگریزی اور یورپی زبانوں میں بھی ان جملات سے ملتے جلتے جملات پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ آخر خدا سے کیوں ڈرا جائے؟ کیونکہ بہر حال جب ہم کسی شے سے خوف محسوس کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم جس سے ڈرتے ہیں وہ کوئی ترسناک یا خوفناک چیز یا شخصیت ہوتی ہے۔ کیا خدا بھی ایک خوفناک مخلوق کی مانند ہے؟ کیا خدا ایک خوفناک اور ڈراؤنی ہستی ہے؟ اس مقالے میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں خدا سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے۔ قرآن مجید کے اردو تراجم میں بعض کلمات یا ان کے مشتقات کا ترجمہ ڈر یا ڈرنے کے طور پر کیا گیا ہے۔ ان کلمات میں سے کلیدی کلمات 'خوف'، 'خشیت' اور 'تقویٰ' ہیں جن کی اس اس مقالے میں بررسی کی گئی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن مجید کی ان آیات میں سے بعض کا مطالعہ مختلف تفاسیر کی مدد سے کیا گیا ہے جن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس مقالے میں مندرجہ ذیل سوالات پر بحث کی گئی ہے

- خوف کی تعریف کیا ہے؟
- انبیاء کس قسم کا خوف محسوس کرتے تھے؟
- مخلوق سے ڈرنے اور خدا سے ڈرنے میں کیا فرق ہے؟
- خشیت اور خوف میں کیا فرق ہے؟
- کیا تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب خدا سے ڈرنا ہے؟

مقالے کے آخر میں بحث کا نتیجہ پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالے میں تمام قرآنی آیات کے اردو ترجمے کو 'بلاغ القرآن' از قلم شیخ محسن نجفی سے لیا گیا ہے (http://www.balaghulquran.com/)

خوف یا ڈر کی تعریف

بنیادی ترین انسانی احساسات میں سے ایک ڈر ہے۔ اردو زبان میں معمولاً 'ڈر' اور 'خوف' کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف اور نعم البدل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ خوف کی ایک تعریف یہ ہے کہ یہ حیوانات بشمول انسانوں میں پایا جانے والا وہ نفسیاتی رویہ ہے کو جو کسی خطرے سے آگاہ ہو جانے کی وجہ سے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اور اس خطرے سے بچنے یا اس سے فرار کرنے کی خواہش کو ایجاد کرتا ہے جس کو کسی بھی جاندار کی

بقا کے لئے ایک اہم رد عمل تصور کیا جاتا ہے۔ (اردو ویکی پیڈیا)

ایک اور تعریف کے مطابق خوف ایک ایسا ناخوشگوار لیکن اکثر مضبوط جذبہ ہے جو کسی خطرے کی توقع یا اس سے آگاہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ (مریم وبسٹر ڈکشنری، لغت Fear) تعریفوں کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خوف یا ڈر ایک ایسا جذبہ ہے جو ہم اس وقت محسوس کرتے ہیں جب ہمیں یہ توقع ہو کہ کوئی چیز یا شخص ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اسکے نتیجے میں ہم اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خوف یا ڈر ایک اچھی چیز ہے کیونکہ اگر خوف نہ ہو تو ہم کسی بھی خطرے سے خود کو بچانے کی کوشش ہی نہیں کریں گے۔

انبیاء اور خوف

خوف یا ڈر کی مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ذی عقل مختلف صورت احوال میں مختلف چیزوں سے ڈر محسوس کرتا ہے۔ اس میں سب انسان شامل ہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء کو بھی مختلف صورت احوال میں ڈر محسوس ہوتا تھا۔

مثال کے طور پر فرشتوں کا ایک گروہ جو کہ انسانی صورت میں حضرت لوط ع کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، حضرت اسحاق ع کی بشارت دینے کے لئے حضرت ابراہیم ع و حضرت سارہ ع کے گھر رکا۔ ان کو مہمان سمجھ کر حضرت ابراہیم ع جلدی سے انکے لئے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ قرآن کے مطابق جب ابراھیم ع نے دیکھا کہ مہمان، جو کہ در حقیقت فرشتے تھے، کھانا نہیں کھا رہے تو ان کو خوف محسوس ہوا، جیسا کہ سورۃ ہود کی آیت نمبر ۷۰ میں بیان ہوا ہے۔ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَہُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرَہُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً ترجمہ: جب [ابراہیم نے] دیکھا ان کے ہاتھ اس) کھانے) تک نہیں پہنچتے تو انہیں اجنبی خیال کیا اور ان سے خوف محسوس کیا۔

اس آیت میں خیفۃ کا لفظ خوف سے مربوط ہے۔ اسی طرح سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۵۲ میں بیان ہوتا ہے۔ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَیۡہِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنۡکُمۡ وَجِلُوۡنَ ترجمہ: جب وہ [ابراہیم کے ہاں] داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے] کہا: ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔

اس آیت میں 'وجلون' کا فعل 'الوجل' مربوط ہے۔ علامہ طباطبائی کے مطابق 'الوجل' کا معنی 'الخوف' ہے۔[۱] اور

مختلف تفاسیر کے مطابق بھی 'وجلون' سے مراد 'خائفون' یا خائف ہونا ہے۔(طوسی، محمد بن حسن، جلد ۶ صفحہ ۳۴۱) یہ کس قسم کا ڈر یا خوف تھا؟ جہاں تک 'وجلون' کا تعلق ہے، حضرت ابراھیم ع نے ان فرشتوں سے اس لئے خوف محسوس کیا کیونکہ وہ رات کو بے وقت ان کے گھر آگئے تھے۔(شریف لاھیجی، محمد، جلد ۲، صفحہ ۶۷۷) نیز جب آپ نے دیکھا کہ وہ کھانا نہیں کھا رہے تو آپ ع کو در محسوس ہوا کیونکہ اس زمانے میں جب کوئی مہمان میزبان کے گھر کھانا نہ کھاتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ میزبان یا اسکے اہلخانہ کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے آیا ہے۔(کاشانی، فتح اللہ، جلد ۵، صفحہ ۴۷۹) پس حضرت ابراہیم ع کا یہ خوف یا ڈر بالکل درست تھا اور اس میں کوئی قباحت نہیں تھی کیونکہ اس خوف کے نتیجے میں آپ ع اپنے اور حضرت سارہ ع کے بچاؤ کی تدبیر کرتے۔ البتہ فرشتوں نے فوراً ظاہر کر دیا کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے۔

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت موسیٰ ع کے خوف محسوس کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ جب فرعون کی قوم کے جادوگروں نے رسیاں زمین پر پھینکیں اور وہ گویا زندہ سانپ بن کر رینگنے لگیں تو قرآن مجید کے مطابق اس وقت حضرت موسیٰ ع کو خوف محسوس ہوا، جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۶۷ میں بیان ہوا ہے۔فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ترجمہ: پس موسیٰ نے اپنے اندر خوف محسوس کیا۔

سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۶۷ میں بھی لفظ 'خیفۃ' استعمال ہوا ہے جو ڈرنے کا معنی دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ ع سانپوں کو دیکھ نہیں ڈر گئے تھے بلکہ آپ ع کو جو خوف لاحق ہوا وہ یہ تھا کہ جادوگروں کے اس کرتب کو دیکھ کر لوگ کہیں معجزے اور جادو میں فرق نہ کر پائیں اور حق و باطل ان پر مشتبہ ہو جائے۔ یا آپ کو یہ خوف تھا کہ کہیں آپ ع کے عصا کو ڈالنے سے پہلے ہی لوگ تماشا چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔(کاشانی، فتح اللہ، جلد ۵، صفحہ ۴۷۹) پس یہ خوف بھی مذموم اور قبیح نہیں تھا بلکہ عقلانی تھا۔ آپ ع کے اس خوف کا نتیجہ غالباً یہ فکر تھی کہ اگر عوام الناس جادوگروں کے اس جادو کو دیکھ کر گمراہ ہونا شروع ہو جائیں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ بہرحال انبیاء ع مختلف قسم کی مخلوق سے ڈر یعنی خوف محسوس کیا کرتے ہیں تاکہ خطرے سے بچاؤ کی تدبیر کر سکیں۔ لیکن وہ کسی بھی مخلوق کو مستقل نہیں سمجھتے کہ وہ مستقل طور پر ان ع کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ انبیاء ع مخلوق سے تو خوف محسوس کرتے ہیں لیکن خالق سے خشیت رکھتے ہیں۔

خشیت

انبیاء ع خدا سے ڈرتے ہیں لیکن وہ ڈر خوف نہیں ہے بلکہ خشیت ہے۔ اس کو عموما فارسی میں 'ترس' اور اردو میں 'ڈر' ہی ترجمہ کر دیتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ خشیت وہ ڈر نہیں ہے جو خوف ہے۔

خشیت اس حالت کو کہتے ہیں جو اس وقت دل میں پیدا ہوتی ہے جب کوئی جب کوئی شخص خالق کائنات کی عظمت کا ادراک کر لینے کے بعد یہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ خود ایک حقیر اور ناچیز ہستی ہے۔ نیز خشیت کا مطلب اپنے گناہوں کی پاداش سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ یہ خدا سے دور رہ جانے کا ڈر ہے۔ (پایگاہ اطلاع رسانی حوزہ، معنای خشیت https://hawzah.net/fa/Question/view/۲۶۵۹/) پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء مخلوق سے خوف تو محسوس کیا کرتے ہیں لیکن وہ کسی بھی مخلوق سے کبھی بھی خشیت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۹ میں ارشاد ہوتا ہے۔ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ترجمہ:) وہ انبیاء) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

مندرجہ بالا آیت میں 'یخشون' کا فعل 'خشیت سے مربوط ہے جس کا ترجمہ 'ڈرتے ہیں' کیا گیا ہے۔ بہر حال اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء سوائے خدا کے کسی سے 'خشیت' نہیں رکھتے یعنی کسی بھی مخلوق کی ہیبت کو دل میں محسوس نہیں کرتے۔ اگرچہ انبیاء خدا کی مخلوق کے شر سے بچاؤ کے لئے خوف محسوس کرتے ہیں لیکن وہ سوائے خدا کے کسی کو عظیم نہیں گردانتے کہ اسکی عظمت کو دل میں محسوس کر کے اسکی تعظیم کریں۔ بانو سیدہ نصرت امین رح کے مطابق خدا سے خشیت رکھنا ان سے مخصوص ہے جو اسکی معرفت رکھتے ہیں اور جن کے دل میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و جلال و کبریائی نفوذ کر جائے۔ البتہ جس قدر معرفت پروردگار زیادہ ہو گی وہ اتنا ہی خدا سے ڈرے گا اور یہ ڈر وہ خوف نہیں ہے کہ جس کا نتیجہ (خطرے سے) فرار ہے بلکہ یہ خشیت ہے۔ چونکہ لوگوں میں سب سے زیادہ معرفت پروردگار انبیاء رکھتے ہیں اس لئے وہی سب سے زیادہ خدا سے ڈرتے ہیں (یعنی خشیت رکھتے ہیں)۔ وہ مخلوق سے نہیں ڈرتے کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ تمام امور خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ (امین، نصرت بانو، تفسیر مخزن العرفان در علوم قرآن جلد ۱۰، صفحہ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔) مندرجہ بالا بحث کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو کہ الرحمان اور الرحیم ہے اور سب کو وجود بخشتا ہے وہ ایک خوفناک ہستی نہیں ہو سکتا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ الرب اور الرزاق ایسی ہستی ہو جس سے ڈرا جائے کیونکہ ڈر بمعنی خوف فرار پر منتج ہوتا

ہے۔ جس سے خوف محسوس ہو اس سے دور ہوا جاتا ہے۔ جبکہ خدا سے نزدیک ہونا انسان کا مقصد ہے۔ پس اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا سے خوف نہیں کھانا چاہئے بلکہ خشیت رکھنی چاہئے۔ نیز جس سے خشیت رکھی جائے اس ہستی سے انسان دور نہیں بھاگتا بلکہ اس سے نزدیک ہونا چاہتا ہے۔ اور خشیت صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے رکھنی چاہئے جیسا کہ انبیاء رکھا کرتے تھے۔ نیز خشیت اسی قدر زیادہ ہو گی جتنی معرفت پروردگار زیادہ ہو گی۔ البتہ معرفت بذات خود علم پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خشیت بھی علم پر مبنی ہے اور راغب اصفہانی کا قول بھی یہی ہے کہ خشیت کی جڑ علم میں ہے۔ (راغب اصفہانی، حسین، ص ۲۸۳)
نیز سورہ فاطر کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ترجمہ: اللہ کے بندوں میں سے صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں فعل یخشیٰ خشیت سے مربوط ہے۔ اس لئے اہل علم کا ڈر خوف نہیں بلکہ خشیت ہے۔ اس آیت میں کلمہ حصر 'انما' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہ لوگ ہی خشیت الٰہی رکھتے ہیں جو علماء ہیں۔ نیز مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف وہی لوگ اسکی خشیت رکھتے ہیں جو اسکی معرفت رکھتے ہیں اور جاہلوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (آملی، عبداللہ جوادی، جلسہ ۱۴)

اس آیت میں علماء سے مراد کون لوگ ہیں؟ آیت اللہ العظمیٰ استاد جوادی آملی کے مطابق اس آیت میں العلماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو توحید کا علم رکھتے ہیں۔ اگرچہ العلماء میں الف اور لام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں فقہاء اور علم اصول کے ماہرین وغیرہ بھی شامل ہیں لیکن اس بحث کا اصلی محور توحید ہے۔ (آملی، عبداللہ جوادی، جلسہ ۱۴) یقینا علماء کا بہترین مصداق اہلبیت ع ہیں چونکہ وہ مخلوقات میں سب سے زیادہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں۔ اور جتنی معرفت زیادہ ہو گی اتنی ہی خشیت دل میں زیادہ ہو گی۔ البتہ غیر معصومین بھی اپنے علم و معرفت کے اعتبار سے خشیت کے نسبتا ادنٰی درجوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔

اولوالالباب کا خوف اور خشیت

سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۲۱ میں اولوالالباب کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں۔ وَیَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ترجمہ: اور [وہ] اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں۔

اولوالالباب وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سولہ بار آیا ہے اور انکی مختلف صفات کو قرآن مجید میں بیان کیا

گیا ہے۔ اولوالالباب کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو 'لب' رکھتے ہیں۔ 'الباب'، 'لب' کی جمع ہے. کسی میوے مثلا اخروٹ کے اندر پائے جانے والے مغز کو 'لب' کہتے ہیں اور اسکے بیرونی چھلکے کو 'قشر' کہتے ہیں۔ مختلف تفاسیر میں 'لب' سے مراد 'عقل' لی گئی ہے۔ علامہ طباطبائی کے مطابق عقل کو انسان سے وہی نسبت ہے جو 'لب' کو 'قشر' سے ہے۔ (طباطبائی، محمد حسین، جلد ۲، صفحہ ۳۹۶) اکثر تراجم میں اولوالالباب کو عقل والے کہا گیا ہے۔ البتہ اولوالالباب کا ایک دقیق تر ترجمہ فہم عمیق رکھنے والے بھی ہے۔(Naqvi,Sayyed (Rehan,۲۰۲۰,p.۳۳

سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۲۱ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اولوالالباب کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (یخشون)۔ اس آیت میں یخافون کی بجائے یخشون کا فعل استعمال ہوا ہے جو خشیت سے مربوط ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولوالالباب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خشیت رکھتے ہیں جو کہ خوف رکھنے سے مختلف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس قسم کا ڈر اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب کوئی شخص دین کی سطحی فہم نہ رکھتا ہو بلکہ فہم عمیق کا مالک ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں خشیت الٰہی اولوالالباب کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اور اولوالالباب وہ لوگ ہوتے ہیں جو عقل استعمال کرتے ہیں اور فہم عمیق کے مالک ہیں۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۱ میں اولوالالباب کی ایک صفت تفکر بیان کی گئی ہے۔ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ترجمہ: اور (وہ) آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی خلقت میں تفکر کرنے کی بنا پر اولوالالباب خدا کی عظمت کو دل میں محسوس کرتے ہیں جو کہ خشیت کا پیش خیمہ ہے۔ جب اولوالالباب خدا کے نام اور صفات پر غور کرنے اور اسکی خلقت میں غور کرتے ہیں تو اسکی عظمت کا ادراک کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے دلوں میں ایک ہیبت محسوس کرتے ہیں اور یہ احساس کرتے ہیں کہ وہ لامحدود خالق کی ایک ناچیز مخلوق ہیں اور یہ کہ وہ ناقص ہیں جبکہ انکا خالق ہر نقص سے پاک ہے۔ پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ خشیت کا پیش خیمہ تفکر ہے۔

سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۲۱ میں ہی اولوالالباب کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ برے حساب سے بھی ڈرتے ہیں (یخافون)۔ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ترجمہ: اور وہ برے حساب سے بھی خائف رہتے ہیں۔

اس آیت میں فعل 'یخافون'، 'خوف' سے مربوط ہے۔ برے حساب سے مراد اس آیت میں قیامت کا دن ایسا

برا اعمال نامہ ہے کہ جس میں نیکیاں کم اور برائیاں زیادہ ہوں۔

پس اولوالالباب برے حساب سے خائف رہتے ہیں یعنی ان کو خوف برے اعمال کا ہے، نہ کہ خدا کا۔ روز قیامت ہر شخص کو اپنے اعمال اپنی حقیقی صورت میں نظر آئیں گے۔ جیسا کہ سورۃ الزلزلۃ کی آیات نمبر ۷ اور ۸ میں ارشاد ہوتا ہے۔فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ۔ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ترجمہ: پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

ان آیات میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان آخرت میں اپنے اعمال کو دیکھے گا۔ یہ آیت تجسم اعمال پر دلالت کرتی ہے۔ (قرشی بنابی، علی اکبر، جلد ۱۲، صفحہ ۳۱۸) یعنی ہر شخص آخرت میں اپنے اعمال کی حقیقی صورت کو دیکھے گا۔ اچھے اعمال کی صورت زیبا ہو گی جبکہ برے اعمال کی حقیقی صورت خوفناک ہو گی۔

قرآن مجید میں اعمال کی حقیقی صورتوں کی جانب اشارہ ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہوتا ہے۔اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ترجمہ: جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس آگ بھرتے ہیں۔

اس آیت کے مطابق یتیم کا ناحق مال کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔ یہ اس عمل قبیح کی حقیقی صورت ہے جو کہ اس دنیا میں تو نظر نہیں آتی لیکن آخرت میں نظر آئے گی۔ کیا اس قبیح عمل کی خوفناک صورت سے انسان کو ڈرنا چاہئے یا خدا سے؟ کیا خدا خوفناک ہے یا یتیم کا مال کھانا بذات خود ایک خوفناک عمل ہے؟ یقینا عاقل خدا سے نہیں بلکہ اپنے برے اعمال کی حقیقی صورت اور انکے نتائج و عواقب سے خائف رہتا ہے جو آخرت میں ظاہر ہوں گے۔ پس اولوالالباب یعنی عقل کو استعمال کرنے والے اور فہم عمیق کے مالک لوگ برے حساب سے خائف رہتے ہیں یعنی وہ یہ جانتے ہیں کہ برے اعمال آخرت میں گھناؤنی صورت میں ظاہر ہوں گے اور اس وقت جو بھی ان کو دیکھے گا ڈرے گا۔ اس لئے وہ برے اعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے اولوالالباب کا خدا سے ڈرنا بمعنی 'خشیت' ہے اور برے حساب سے ڈرنا بمعنی 'خوف' ہے۔

خدا کے مقام کا خوف

قرآن مجید میں سورہ الرحمان کی آیت نمبر ۴۶ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اس کے لیے دو باغ ہیں۔

نیز سورۃ النازعات کی آیات نمبر ۴۰ اور ۴۱ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے، اس کا ٹھکانا یقینا جنت ہے۔

ان دونوں آیات میں ذات خدا سے ڈرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ مقام خدا سے ڈرنے کا ذکر ہے جس کے لئے 'مقام ربہ' کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شیخ محسن علی کے ترجمے سے بھی ظاہر ہے اور بعض دیگر مفسرین کا بھی یہی نظریہ ہے کہ مقام خدا سے ڈرنے کا مطلب خدا کے بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرنا ہے۔ (طیب، عبدالحسین، جلد ۱۳، صفحہ ۳۸۳) آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی کے مطابق جنتی ہونے کے لئے پہلی شرط خدا کے مقام کی شناخت اور اس سے ایسا ڈر رکھنا ہے جو معرفت سے پیدا شدہ ہو۔ (مکارم شیرازی، ناصر، جلد ۲۶، صفحہ ۱۰۷) مندرجہ بالا بحث کو اگر ان ابحاث کی ساتھ ملا کر دیکھا جائے جو اس مقالے میں خشیت اور اس کے علم و معرفت سے رابطے کے بارے میں پہلے گزر چکی ہیں، تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خدا کی ذات نہیں بلکہ اس کے مقام سے خوف رکھنا ہی خشیت ہے۔ پس مقام الٰہی سے خوف کھانے کا ایک مطلب دل میں مقام خدا کی عظمت کی ہیبت کو محسوس کرنا ہے۔ البتہ خدا کا مقام کیا ہے؟ اس کی جانب سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸ میں اشارہ ہوا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ترجمہ: اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی یہی شہادت دی، وہ عدل قائم کرنے والا ہے۔

تفسیر القمی کے مطابق اس آیت میں 'قائما بالقسط'، 'شھد اللہ' پر معطوف ہے اور القسط سے مراد العدل ہے۔ (قمی، علی بن ابراہیم، جلد ۱، صفحہ ۹۹) یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ خود قائما بالقسط ہے یعنی وہ اپنے امور کا اجراء، خلق کی تدابیر اور اعمال کی جزاء کا عدل کے ساتھ اجراء کرنے کے ساتھ قائم ہے۔ (طبرسی، فضل بن حسن، جلد ۲، صفحہ ۷۱۶) یعنی یہ اسکا مقام ہے کہ اسکے امور عدل پر استوار ہیں۔ پس جب کوئی اپنے رب کے مقام سے خوف رکھتا ہے تو وہ

در حقیقت اسکے عدل سے ڈرتا ہے یعنی اسکا خائف ہونا ویسا ہی خائف ہونا ہے جیسا اولوالالباب کا برے حساب سے خائف ہونا ہے۔

تقویٰ

ایک اور قرآنی اصطلاح جس کا ترجمہ عموماً خدا سے ڈرنا کیا جاتا ہے تقویٰ ہے۔ اکثر مقامات پر اتقوا اللہ کا ترجمہ خدا سے ڈرو کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ کا مفہوم ڈر سے مختلف ہے۔

مثال کے طور پر شیخ محسن علی نجفی نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں تقویٰ اختیار کرنے کا ترجمہ خدا کا خوف کرنا کیا ہے ۔يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ترجمہ : اے ایمان والو ! اللہ کا خوف کرو جیسا کہ اس کا خوف کرنے کا حق ہے اور جان نہ دینا مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

البتہ جیسا کہ گزشتہ ابحاث میں گزر چکا ہے کہ خوف کا لازمہ خطرناک صورت حال اور اشیاء سے بچاؤ کی تدبیر اور ان سے فرار ہے۔ یقیناً اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا یہ معنی نہیں ہو سکتا۔ پس 'تقویٰ' کا کیا مطلب ہے؟

لفظ 'تقویٰ' کا مصدر 'وقایۃ' ہے جس کا مطلب کسی چیز کو ہر اس شے سے بچانا ہے جو اس کو نقصان پہنچا سکتی ہو (راغب اصفہانی، حسین، صفحہ ۸۸۱) قرآن مجید میں وقایۃ کے کئی مشتقات پائے جاتے ہیں جو سب کے سب 'بچاؤ' کا معنی دیتے ہیں۔ مثلاً سورۃ التحریم کی آیت نمبر ۶ میں ارشاد ہوتا ہے ۔يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ترجمہ : اے ایمان والو ! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اس آیت میں 'قوا' فعل امر ہے جو 'وقایۃ' کے مشتقات میں سے ایک ہے اور اس کا معنی ہے 'تم (جمع) بچاؤ'۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۰۱ میں ارشاد ہوتا ہے ۔وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ترجمہ : اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں : ہمارے رب ! ہمیں دنیا میں بہتری اور آخرت میں بھی بہتری عطا کر نیز ہمیں آتش جہنم سے بچا۔

اس آیت میں 'قنا' میں 'ق' اصل میں فعل امر ہے اور اس کا مطلب ہے 'تو بچا'۔ جہاں تک لفظ 'تقویٰ' کا تعلق ہے تو عموماً اردو زبان میں اس سے مراد کچھ یوں لی جاتی ہے جیسے اس کا مطلب خدا سے ڈرنا ہو۔ قرآن مجید میں

دو سو سے زیادہ مرتبہ 'تقویٰ' کا بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ذکر کیا گیا ہے جن میں سے بیشتر مرتبہ فعل امر 'اتقوا' ذکر ہوا ہے جس کا عموماً ترجمہ 'اللہ سے ڈرو' کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں 'تقویٰ' کا معنی خدا سے ڈرنا نہیں ہے۔آیت اللہ فاضل لنکرانی رح کے مطابق 'تقویٰ' سے مراد اپنے نفس کی مراقبت کرنا اور اس کو کنٹرول میں رکھنا ہے۔(لنکرانی، محمد فاضل، آیین کشورداری از دیدگاہ امام علی علیہ السلام صفحہ ۲۴۔) جبکہ سیدہ بانو نصرت امین رح جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں وہ خود کو ہر اس چیز سے بچاتے ہیں جو انکے لئے آخرت میں نقصان کا موجب ہو۔(امین، نصرت بانو، مخزن العرفان، جلد ا، صفحہ ۷۹۔) ان تعریفوں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'تقویٰ' اختیار کرنے کا مطلب ہے کہ انسان حکم خدا کو بجالائے، حرام سے اجتناب کرے، اپنے نفس پر نگاہ رکھے اور نفس کی مکاریوں سے خود کو بچائے۔ پس 'تقویٰ' اختیار کرنے کا مطلب خدا سے ڈرنا یا خوف کھانا نہیں ہے بلکہ اسکا مطلب ہے خود کو ہر اس چیز سے بچانا جس سے انسان خدا کی ناراضگی مول لے اور اس کو آخرت میں نقصان پہنچے ۔ لہٰذا 'تقویٰ' کی ایک جامع تر تعریف 'خدا کی نافرمانی سے مراقبت اور چوکنا رہنا' ہے (Naqvi,Sayyed Rehan,۲۰۲۰,p۱۵۸)۔

نتیجہ

اس مقالے میں قرآن مجید کی روشنی میں خدا سے ڈرنے کے مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں مختلف تفاسیر سے مراجعہ کیا گیا ہے اور تین قرآنی کلمات کی بررسی کی گئی ہے: خوف، خشیت، اور تقویٰ۔ عموماً قرآن مجید کے اردو تراجم میں ان الفاظ کا ترجمہ ڈر کے عنوان سے کر دیا جاتا ہے جو کہ ان کلمات کے دقیق تر معانی کو بیان نہیں کرتا۔ مثلاً دیکھا گیا ہے کہ عموماً قرآن مجید کے اردو تراجم میں خوف اور اس سے مربوط الفاظ، خشیت اور اس سے مربوط الفاظ اور تقویٰ اور اس سے مربوط الفاظ، سبھی کا ترجمہ خوف یا ڈر کا مفہوم دیتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ اردو زبان عربی زبان کے مقابلے میں اس قدر وسیع نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب خدا سے ڈرنے کا ذکر کیا جاتا ہے تو تاثر یہ ملتا ہے کہ جیسے خدا ایک خوفناک ہستی ہے جس سے اسی طرح ڈرنا چاہئے جیسے کسی خطرناک اور ضرر رساں مخلوق سے ڈرا جاتا ہے۔ اس مقالے میں پیش کردہ تحقیق کے مطابق 'خوف' سے مراد وہ ڈر ہے جو کسی خطرے اور ضرر کی آگاہی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ اس خطرے کو روکنے کی تدبیر کرنا اور فرار ہوتا ہے۔ جبکہ خشیت سے مراد وہ ڈر ہے جو دل میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی ہستی کی عظمت کا ادراک ہو جائے اور انسان اپنے دل میں ہیبت محسوس کرے اور اس ہستی کے مقابلے میں خود کو ناچیز گردانے۔ اس بنا پر مومن کو فقط اللہ سے خشیت رکھنی چاہئے اور اللہ سے ڈرنے کا مفہوم بھی یہی ہے۔ اسکے علاوہ قرآن مجید میں خدا کے مقام سے ڈرنے کا ذکر ہے۔ خدا کے مقام سے ڈرنے کا نتیجہ اپنے نفس کو کنٹرول کرنا اور برائیوں سے بچنا ہے جس کی پاداش جنت ہے۔ خدا کے مقام سے ڈرنا خدا کی ذات سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ خدا کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے امور کا اجراء عدل کے ساتھ کرتا ہے۔ پس اس کے مقام سے ڈرنا یہ ہے کہ انسان اسکی بارگاہ میں پیش ہونے سے ڈرے اور اس کے عدل سے ڈرے۔ اس مقالے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو ڈر خوف کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اسکا نتیجہ اس ہستی سے فرار ہے جس سے خوف محسوس ہو جبکہ جس ہستی کے لئے خشیت رکھی جائے اس ہستی سے نزدیک ہوا جاتا ہے یعنی خدا کی خشیت کا نتیجہ قرب پروردگار ہے۔ جہاں تک لفظ تقویٰ کا تعلق ہے تو اس کا مصدر وقایۃ ہے جس کا مطلب کسی شے کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جو اسے نقصان پہنچا سکتی ہو۔ اس لئے تقویٰ کا دقیق تر مطلب خدا سے ڈرنا نہیں بلکہ ایسی حالت کا اختیار کرنا ہے جس کے نتیجے میں انسان خود کو خدا کی نافرمانی سے بچائے رکھے اور اسکے نتیجے میں خود کو آخرت میں ہر قسم کے نقصان

سے بچاسکے۔

فہرست مصادر

۱. قرآن کریم
۲. ابن ابی جامع، علی، الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز (عاملی)، قم، دار القرآن الکریم، ۱۴۱۳ھ ق
۳. آملی، عبداللہ جوادی، تفسیر سورۃ مبارکہ فاطر، بنیاد بین المللی علوم وحیانی اسراء، -
۴. امین، نصرت بانو، تفسیر مخزن العرفان در علوم قرآن، اصفہان، گلبہار، ۱۳۸۹ھ ش
۵. پایگاہ اطلاع رسانی حوزہ، معنای خشیت
۶. جعفری، یعقوب، تفسیر کوثر، قم، موسسہ انتشارات ہجرت، ۱۳۷۶ھ ش
۷. راغب اصفہانی، حسین، مفردات الفاظ القرآن، بیروت، الدار القلم، الدار الشامیۃ، ۱۴۱۲ھ ق
۸. شریف لاہیجی، محمد، تفسیر شریف لاہیجی، تہران، دفتر نشر داد، ۱۳۷۳ھ ش، جلد ۲
۹. طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۳۹۰ھ ق
۱۰. طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران، ناصر خسرو، ۱۳۷۲ھ ش
۱۱. طوسی، محمد بن حسن، التبیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار إحیاء التراث العربی
۱۲. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۱۲ھ ق
۱۳. طیب، عبدالحسین، اطیب البیان فی تفسیر القرآن، تہران، اسلام، ۱۳۶۹ھ ش
۱۴. شاہ عبدالعظیمی، حسین حسینی تفسیر اثنی عشری،
۱۵. قرشی بنابی، علی اکبر، تفسیر احسن الحدیث، تہران، بنیاد بعثت۔ مرکز چاپ و نشر، ۱۳۷۵ھ ش
۱۶. قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر القمی، قم، دار الکتاب، ۱۳۶۳ھ ش
۱۷. کاشانی، فتح اللہ، منہج الصادقین فی الزام المخالفین، تہران، کتابفروشی اسلامیہ
۱۸. لنکرانی، محمد فاضل، آیین کشورداری از دیدگاہ امام علی علیہ السلام، اصفہان، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۶ھ ش
۱۹. مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، قم، دار الکتب الإسلامیۃ، ۱۳۷۱ھ ش
۲۰. https://portal.esra.ir/Pages/Index.aspxkind=۲&lang=fa&id=NzI۱OQ%۳d%۳d-nDjdZfiUXqk%۳d&admin=۲۰۰&SkinId=٦٦
۲۱. https://hawzah.net/fa/Question/view/۲٦۵۹/
۲۲. Naqvi, Sayyed Rehan, The People of Deeper Understanding: who are the Ulū al-Albāb in the Qur'ān and why should you know?, Qom, Ansariyan Publications, ۲۰۲۰, p. ۱۵۸.

اثم، عصیان، اور ہبوط اور ان کے مشتقات کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق

نویسندہ: سلمیٰ بتول جاڑوی[1]

نظر ثانی: عون علی جاڑوی[2]

خلاصہ

قرآن کریم کے معانی اور کلمات اور مصادر کو پہچاننا جدید ترین تحقیقات میں شمار ہوتی ہیں اس تحقیق میں قرآن کریم کے چند کلمات کو انتخاب کرنے کے بعد؛ ان کلمات کے معانی اور مفہوم کو پرکھا، سمجھا اور جانا جائے گا۔ مقصد تحقیق یہ ہے کہ بعض کلمات جن کے معانی ابتدائی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب لگتے ہیں، مثال کے طور پر "اثم"، "عصیان" اور "ہبوط" ان کی حقیقت اور استعمال کے موارد کو پہنچانا جائے، انکے ہم معنی الفاظ و مفاہیم کو پہچانا جائے اور اس کے بعد قرآن کریم میں جن آیات میں یہ کلمات استعمال ہوئے ہیں، انکی تفسیر بیان کی جائے تاکہ مخاطبین کے لیئے آیات کے معانی اور قرآن کے پیغامات بہت واضح اور آسان ہو جائیں۔

کلیدی کلمات: اثم، گناہ، عصیان، ہبوط، قرآن، آدم، حوا

مقدمہ

قرآن کریم کے نازل ہونے کے بعد، جو بھی اس قرآن کیساتھ لو لگائے اور اس سے ہدایت طلب کرنا چاہے، خداوند متعال اس کی ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کے لیے مقدس ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے اصول و آداب پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ آسمانی کتاب عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ عربی زبان کا دنیا کی فصیح و بلیغ زبانوں میں سے ہوتا ہے۔ خداوند متعال نے بھی عربی زبان میں انسان سے گفتگو فرمائی ہے۔ لیکن قرآن کریم کا پیغام تو صرف عربی زبان سے آگاہ لوگوں کے لئے نہیں بلکہ تمام

---

۱. تفسیر اور علوم قرآن، ایم فل کی طالبہ، برطانیہ

۲۔ کورس مینجر، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

بنی نوع بشر کے لئے ہے لہٰذا آسمانی کتابوں کی زبان کو سمجھنا لازم و واجب ہے تاکہ خداوند کا پیغام سب تک پہنچ جائے۔اس لیئے ہمیں ترجمہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دقیق ترجمہ کے لیئے مترجم کا زبان مبداء اور زبان مقصد دونوں پر عبور ہونا لازمی ہے۔ کلمات قرآن کا لغوی ڈھانچا، زبان کو سمجھنے کے اعتبار سے، قرآنی کلمات کے معانی کو سمجھنے اور دوسرے تک پہنچانے کے لیئے بہت زیادہ مفید ہے۔ قرآن کے مفردات کے معانی پر توجہ نہ دینا ، مفاہیم کو غلط راستے پر لے جانے کے مترادف ہے اور ترجمہ کے سلیقے میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اور یہی مشکلات دوسرے کئی احکامات الٰہی کے انحرافات کا سبب بن سکتی ہیں۔ اگر انواع کلمات کے درست ترجمے پر توجہ نہ دی جائے تو احکام دینی درست طریقے سے تبیین نہیں ہو پائیں گے اور جو افراد زبان کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں، ان کے شک میں پڑ جانے کا ڈر ہوگا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ جو بھی ترجمہ کیا گیا ہو اس کی جانچ پڑتال کی جائے اور کلمات کا درست ترجمہ اہل تحقیق اور دانشمندان اور محققین کے لیئے پیش کیا جائے۔

۱- لفظ "اثم":

قرآن کریم میں اثم کا مادہ ٹوٹل ٦ مرتبہ استعمال ہوا ہے سورہ بقرہ ۱۷۳، ۱۸۲، اس آیت میں دو مرتبہ ۲۰۳، ۲۱۹ میں اور ایک دفعہ سورہ الحجرات آیت نمبر ۱۲ میں استعمال ہوا ہے۔

لغت میں اثم یعنی سستی، پیچھے رہ جانا اور تاخیر کے ہیں، اور اثم کا اطلاق گناہ پر اس لیئے ہوتا ہے کہ وہ نیکیوں سے رہ جاتا ہے (ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، ج۱، ص٦۰) ۔ اور قرآن کریم میں جیسا کہ آیا ہے يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ؛ یعنی جوا اور شراب کی وجہ سے انسان نیکیوں سے پیچھے رہ جاتا ہے (حسین راغب اصفہانی، مفردات الفاظ قرآن، ص ٦۳)۔

کلمہ اثم کے لیئے کتاب الوجوہ والنظائر فی القرآن دامغانی اور کتاب وجوہ قرآن تفلیسی میں مختلف معانی ذکر ہوئے ہیں (حسین بن محمد دامغانی، الوجوہ والنظایر، ص۵۰؛ حبیش بن ابراہیم تفلیسی، وجوہ قرآن، ص٦)۔ ان میں سے ایک خطا کے معنی میں ذکر ہوا ہے جس میں اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ؛ پھر اگر کوئی شخص وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری یا ناانصافی کا خوف رکھتا ہو اور وہ ورثہ میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے (بقرہ/۱۸۲)۔ حالانکہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں

اس کے بر عکس لکھا ہے، "جنف" یعنی خطاء اور حق سے منحرف ہونا۔

ایک جگہ اور آیا ہے کہ اثم کا معنی گناہ کے ہیں اور ایسے کام کو کہا جاتا ہے کہ اسکا انجام دینا حلال نہ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اثم، کے ساتھ، معصیت بھی ضرور ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی ایسے کلمات جن کے معانی گناہ اور غلطی کے ہیں بہت سی آیات میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک اثم ہے۔ اثم لغت میں بد کرداری، جرم، گناہ، کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

مفہوم اثم کے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اثم ایک ایسی حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کی روح اور عقل کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان کو نیکیوں اور کمالات سے دور کر دیتی ہے۔ یعنی ہر وہ کام جو انسان کے لیئے نقصان دہ ہو اور انسان کی پستی کا سبب بنے اور انسان کو نیکیوں ثواب اور جزاء سے دور کر دے۔ اس لحاظ سے گناہ کی ہر قسم مفہوم اثم کے دائرہ میں داخل ہے (شریعتمداری، شرح و تفسیر لغات قرآن بر اساس تفسیر نمونہ، ۱۳۷۲، ج۱، ۳۱)۔

۲۔ برا کام جس کے مرتکب ہونے سے انسان پچھتائے۔ ایسے کام جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں (کلانتری، لغات قرآن در تفسیر مجمع البیان، ۱۳۶۳، ۱۲)۔

۳۔ اثم ایک ایسا گناہ ہے جس کے کرنے سے انسان سزا اور مکافات کا مستحق قرار پاتا ہے۔ (بیضاوی، ۱۴۱۸ اِنوار التّنزیل واِسرار التّأویل، ق، ج۵، ۱۳۶۔)

۴۔ اصطلاح میں اثم ایسے برے آثار کو کہا جاتا ہے جو گناہ کرنے کے بعد باقی رہ جاتے ہیں۔ (طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ۱۳۷۴، ج۱۵، ۱۳۱) و نیز ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے انسان دوسری خوبیوں اور نیکیوں سے رہ جاتا ہے مثلاً شراب پینا یا چوری کرنا۔ (طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ۱۳۷۴، ج۵، ۱۲۵)

۵۔ پیامبر اکرم ص کی ایک روایت میں نقل ہے کہ "اثم ایک ایسی چیز ہے جو کہ انسان کے دل میں افسردگی اور پریشانی ایجاد کرتی ہے"۔ (طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ۱۳۷۴، ج۵، ۱۹۵)

۶۔ ایسا ذہنی نقصان ہے کہ جو کہ خداوند متعال کے حکم کی مخالفت سے انسان کے لیئے حاصل ہوتا ہے۔ (شعرانی، نثر طوبی، ۱۳۹۸، ج۱، ۶ و ۷)

ایزوتسو[1] قائل ہیں کہ اکثر و بیشتر کلمہ "اثم" کا معنی چھپا ہوا اور پنہان ہے، صرف قران کریم کے کلمات کے اندر ہی اسکے معنی کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔ انہوں نے کلمہ "اثم" کے کچھ قرآنی استعمال کو یوں بیان کیا ہے:

۱۔ کلمہ اثم اغلب اوقات قرآن کریم کے عدالتی اور حقوقی احکام کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلا سورہ بقرہ کی آیات ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۸اور ۲۸۳ میں اور سورہ مائدہ کی آیت ۱۰٦ میں اور سورہ نساء کی آیت ۲۰ میں۔

۲۔ حرمت کو توڑنا، مثلا سورہ بقرہ کی آیات ۱۷۳اور ۲۱۹ میں۔

۳۔ کلمہ اثم کفر کے مختلف حالات کے لیئے بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلا سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۸ میں۔ (ایزوتسو، مفاہیم اخلاقی۔دینی در قرآن مجید، ۱۳۷۸، ۵۰۲ و ۵۰٦)

سورہ فرقان کی آیت ٦۸ میں کلمہ آثام، عذاب اور عقوبت کے معانی میں استعمال ہوا ہے اور عذاب کے لیئے بھی کلمہ آثام استعمال ہوا ہے۔ اٰثِم یعنی گناہکار اور نقصان اٹھانے والا، (بقرہ / ۲۸۳)۔ کلمہ اثیم سورہ جاثیہ آیت ۷ میں صیغہ مبالغہ کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی اپنے گناہ پر اصرار کرنے والا (کلانتری، لغات قرآن در تفسیر مجمع البیان، ۱۳٦۳، ۱۲)۔

کلمہ تاثیم سورہ واقعہ آیت ۲۵ میں کسی دوسرے کیطرف گناہ کی نسبت دینا ہے۔ کلمہ اثم اور اسکے مشتقات قرآن کریم میں ۴۸ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ (قرشی، قاموس قرآن، ج۱، ۲۴)

گناہ کا نقصان سے بلاواسطہ رابطہ ہے اس لیے حضرت امام علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ مَنْ بالَغَ فِی الْخُصُومَةِ اَثِمَ؛ یعنی جو کوئی بھی خصومت (دشمنی، عداوت، ایک دوسرے کی ضد یا چھپا ہوا غصہ) میں مبالغہ آرائی کرے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ (صبحی صالح، نہج البلاغہ، ص۵۲۸، حکمت ۲۹۸)

۱۔ توشی ہیکو ایزوتسو (Toshihiko Izutsu)، ۴ مئی ۱۹۱۴ کو ٹوکیو میں پیدا اور ۱۹۹۳ کو کاماکورا میں فوت ہوے، یہ بہت بڑے جاپانی محقق اور فلسفہ دان تھے جنہوں نے قرآن، اسلام اور زبان پر بہت کام کیا، انہوں نے ادیان کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ «ایزوتسو؛ مشرق نیوز. ۱۱۴ آذر ۱۳۹۳؛ (۲۷ دی ۱۳۹۷)۔

گفتگو کا خلاصہ :

۱- قرآن کریم میں کلمہ اثم ۴۸ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ مختلف معانی پر توجہ کرتے ہوئے کلمہ اثم کی مختلف تفاسیر میں ۵ پانچ صورتوں میں تفسیر کی گئی ہے اور اکثر تفاسیر میں کلمہ اثم سے مراد گناہ لیا گیا ہے اور استعمال ہوا ہے۔

۲- کلمہ اثم کے مشتقات کے لیے قرآن کریم کی تفاسیر میں مختلف معانی لائے گئے ہیں مثلا: اثم: ایسا کام جو ثواب پہنچانے سے روکتا ہو، ایسا کام جو حلال نہ ہو، نقصان دہ، گناہ؛ اثم: گناہکار کے معنی میں استعمال ہوا ہے؛ تاثیم جو کہ باب تفعیل سے ہے، گناہ کی کسی دوسرے کی طرف نسبت دینا کے معنی میں استعمال ہوا ہے؛ اثاما: گناہ کی سزا کے عنوان پر لایا گیا ہے۔

تمام کلمات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور آیات کی ابتداء کو دیکھتے ہوئے، کلمہ اثم کے معانی کو پہچان سکتے ہیں۔ مثلا ان میں سے ایک آیت میں دیکھتے ہیں کہ اثم اگر منافع کے مقابلے میں آئے تو ضرر اور نقصان کے معانی میں استعمال ہوگا۔ البتہ بعض تراجم اور تفاسیر نے اس نکتہ کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔

۲- لفظ "عصیان" :

اس کلمہ کی بنیاد پر اہل لغت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض نے اس کو "عصو" سے مشتق سمجھا ہے۔ (راغب، مفردات القرآن، ۱۴۲۵: ۵۷۰) جمع کرنے کے اور پیوند لگانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (مصطفوی، التّحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ۱۴۳۰، ج۸: ۱۸۹) اور بعض نے اس کو "عصی" سے مشتق سمجھتے ہیں۔ خروج اور اطاعت کے معانی کے الٹ معنی سمجھتے ہیں۔ (جوہری، الصّحاح (تاج اللّغة و صحاح العربیّة)، ۱۳۷۶، ج۶، ۲۴۲۹؛ فیروزی آبادی، القاموس المحیط، ۱۴۱۵، ج۴، ۴۰۹)

ابن فارس معتقد ہے کہ حرف عین، صاد اور حرف معتل، دو مختلف متضاد معانی میں استعمال ہوتے ہیں جن میں سے ایک اجتماع اور دوسرا تفریق اور جدا ہونے کے معنی میں ہے۔ اس لیے غلطی کرنے والے شخص کو عاصی کہتے ہیں، جو اتحاد اور اجتماع کو توڑنے والا ہوتا ہے۔ (ابن فارس، معجم مقاییس اللّغة، ۱۴۰۴، ج۴، ۳۳۴) نتیجہ یہ کہ دونوں مشتقات یعنی "عصو" اور "عصی" میں فرق صاف ظاہر ہے۔ اس بناء بر عصیان "عصی" سے مشتق ہے اور اس کے اصلی معنی پیروی کو ترک کرنے کے ہیں۔ عَصیّ جو شریف کے وزن پر ہے نافرمان کے معانی میں

ہے۔ (قرشی، قاموس قرآن، ۱۳۷۱، ج ۵، ۱۲)

آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی صاحب تفسیر المیزان کی نظر میں عصیان کا معنی متاثر نہ ہونا اور اثر کو قبول نہ کرنا ہے۔ لغت میں عصیان کا معنی نافرمانی ہے۔

عصیان کے معانی میں سے متاثر نہ ہونا یا بہت کوشش سے تاثیر کو قبول کرنے کے ہیں۔ مثلا یہ کہا جاتا ہے کہ "کسرتہ فعصیٰ" یعنی میرے دل نے چاہا کہ اسے توڑ دوں لیکن وہ نہ ٹوٹا۔ البتہ یہ معنی جیسا کہ خداوند متعال کے امر اور نہی میں سمجھا جاتا ہے اسی طرح امر و نہی ارشادی میں بھی تصور کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی آیت "وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ" میں حضرت آدم کے عصیان سے مراد حکم پروردگار کی مخالفت ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے درخت سے پھل کھا کر مخالفت اور شیطان کی پیروی کی لہٰذا جنت کی زندگی سے محروم ہو کر وہاں سے نکالے گئے۔ معصیت بھی عصیان کے معانی میں آتی ہے۔ (قرشی، قاموس قرآن، ۱۳۷۱، ج ۵، ۱۲)

ایزوتسو کی نظر میں عصیان یعنی، کسی کی حکم عدولی کرنا، اعتداء کے زیادہ قریب ہے۔ بلکہ حقیقت میں یہ دونوں الفاظ قرآن میں بھی ایک دوسرے کیساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ (بقرہ/۶۱؛ ایزوتسو، مفاہیم اخلاقی ـ دینی در قرآن مجید، ۱۳۷۸، ۳۵۲)

گفتگو کا خلاصہ:

اہل لغت، محققین اور مفسرین کی نظر میں مثال کے طور پر آقای طباطبائی عصیان کو صرف تاثیر قبول نہ کرنے کے معنی میں مانتے ہیں۔ انہوں نے سب معانی کے حد اوسط کو چنا ہے جو سب معانی کو شامل ہوتا ہے۔

۳۔ لفظ "ہبوط":

لغت میں ہبوط کا معنی کسی چیز کو زبردستی نیچے بھیجنے کے ہوتے ہیں۔ (راغب اصفہانی، مفردات الفاظ قرآن، ۱۴۱۲ق، ص ۸۳۲) اور کبھی کبھی اپنے مخاطب کو نیچا دیکھانے اور کمزور تصور کرنے کے معانی میں ہے۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح شیطان کے ہبوط کا ذکر ملتا ہے۔ (اعراف/۱۳) کلمہ ہبوط اپنے مخاطب کی تعظیم اور عزت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (قرشی، قاموس قرآن، ۱۳۷۱ق، ج ۷، ص ۱۳۶) جس طرح حضرت نوح کے بارے میں طوفان

کے بعد خروج کشتی کے بعد استعمال ہوا ہے۔ (ہود/۴۸) بعض اوقات ذکر شدہ کے علاوہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ (بقرہ/۶۱)

۱۔۳۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کا ہبوط:

کلمہ ہبوط اصطلاح میں حضرت آدم اور حضرت حوا کے جنت سے نکالے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہو رہا ہے: قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا؛ خداوند متعال نے فرمایا: آپ دونوں ایک ساتھ جنت سے نکل جاؤ زمین کیطرف۔ (طہ/۱۲۳) حضرت آدم اور حضرت حوا ہبوط کے بعد زمین پر ساکن ہو گئے۔ اس بنا پر ہبوط کا معنی نیچے آنے کے ہیں۔ لہٰذا اگر حضرت آدم کی جنت آسمان پر تصور کی جائے تو نیچے زمین کی طرف آنے کو ہبوط کہا جائے گا اور اگر جنت زمین کے کسی ٹکڑے پر ہو تو ہبوط کا معنی بلند مقام سے چھوٹے مقام کی طرف آنے کے ہوں گے۔ (منتظری، درس ہایی از نہج البلاغہ، ۱۳۸۳ش، ج۱، ص۳۹۷)

بعض مفسرین قائل ہیں کہ انسان کا شرعی طور پر امر اور نہی کا حامل ہونا اللہ کی طرف سے اور مکلّف ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوط کے بعد ہے اور اس ہبوط سے پہلے انسان کے لیے کوئی شرعی فرض اور واجب اور حرام نہیں تھا۔ (حقی بروسوی، تفسیر روح البیان، ج۱، ص۱۱۰)

۲۔۳۔ ابلیس کا ہبوط:

قرآن کریم میں حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکل جانے کا حکم ابلیس کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔ (حجر/۳۴) اسی طرح ایک اور حکم جو ہبوط کا صادر ہوا ہے وہ حضرت آدم کا شجرہ ممنوعہ یعنی درخت کی طرف جانے اور اس کا پھل کھانے کے بعد فرمان جاری ہوا ہے۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا خداوند متعال نے ارشاد فرمایا: پس تو یہاں سے اتر جا۔ (اعراف/۱۳)

۳۔۳۔ حضرت آدم اور حوا کی جنت اور شجرہ ممنوعہ:

قرآن کریم میں حضرت آدم اور حوا کی پیدائش کے بارے میں جو ذکر ہوا ہے اس میں سب سے پہلے ان دونوں کی رہائش کے متعلق بتایا گیا ہے۔ یہ جنت کہاں تھی اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال موجود ہیں مثلا

فخر رازی نے تین ۳ نظریات کو دلائل کیساتھ ذکر کیا ہے:

۱۔زمین پر موجود ایک باغ کو کہا گیا ہوگا۔

۲۔آسمان پر موجود ایک جنت، لیکن اس جنت کے علاوہ ہوگی جسکا انسان سے مرنے کے بعد وعدہ کیا گیا ہے۔

۳۔یا پھر وہی جنت ہوگی جس کا انسان سے وعدہ کیا گیا ہے۔(فخر رازی، مفاتیح الغیب، ۱۴۲۰ق، ج ۳، ص ۴۵۲)

بعض مفسرین قائل ہیں کہ ہبوط حضرت آدم اور حوا بطور سزا اور عقوبت کے لیئے نہیں تھا۔ صدر المتالہین اور طبرسی معتقد ہیں کہ ہبوط اور نزول ایک ہی معنی ہے اور حضرت آدم اور حوا کو جنت سے نکالنا بطور تنبیہ یا سزا کے لیئے نہیں تھا کیونکہ ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں کہ انبیاء اور اولیاء سزا اور عذاب کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ وہ ایسا کام کرتے ہی نہیں ہیں۔ خداوند متعال نے انکو جنت سے نکالا کیونکہ حکمت الہی یہی تھی کہ یہ زمین پر زندگی گزاریں اور زمین کی طرف ہبوط کر جائیں۔ محنت و مشقت کریں اور اپنی ذمہ داریاں نبھائیں تاکہ اخر میں سعادت ان کا نصیب بنے۔ (صدر المتالہین، تفسیر القرآن الکریم، ۱۳۶۶ش، ج ۳، ص ۱۱۰؛ طبرسی، مجمع البیان، ۱۳۷۲ش، ج ۱، ص ۱۹۷) چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالی چاہتا ہے کہ زمین پر اپنا خلیفہ بنائے۔ (بقرہ/۳۰) اور حضرت آدم کے لیئے محنت و مشقت کو چن کر آخر میں سعادت کا راستہ بتایا ہے۔ تاکہ اللہ تعالی کی سعادت و ثواب کی طرف پہنچ جائیں۔ اور یہ مجازات و عقاب اور سزا کے منافی ہے۔(فخر رازی، مفاتیح الغیب، ۱۴۲۰، ج ۳، ص ۴۶۴)

۴۔۳۔ ہبوط مقامی:

بعض مفسرین قائل ہیں کہ ہبوط یعنی حضرت آدم و حوا کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ہبوط سے مراد ہبوط مقامی ہے اللہ تعالی نے حضرت آدم اور حوا کے ترک اولی کی خاطر اعلی مقام سے ادنی مقام کی طرف منسوب کیا ہے۔(مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ۱۳۷۴ش، ج ۱۳، ص ۳۳۲؛ نجفی خمینی، تفسیر آسان، ۱۳۹۸ق، ج ۱۲، ص ۱۳۹)

فہرست مصادر:

۱. قرآن کریم.
۲. صبحی صالح، نہج البلاغہ، تہران
۳. حقی بروسوی، اسماعیل، تفسیر روح البیان، دار الفکر، بیروت، بی تا.
۴. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن، بیروت، دار القلم، چاپ اول، ۱۴۱۲ق.
۵. صدر المتألہین، محمد بن ابراہیم، تفسیر القرآن الکریم، تحقیق: خواجوی، محمد، انتشارات بیدار، قم، چاپ دوم، ۱۳۶۶ش.
۶. طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، مقدمہ: بلاغی، محمد جواد، تہران، ناصر خسرو، چاپ سوم، ۱۳۷۲ش.
۷. فخر الدین رازی، ابو عبداللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، چاپ سوم، ۱۴۲۰ق.
۸. قرشی، سید علی اکبر، قاموس قرآن، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، چاپ ششم، ۱۳۷۱ش.
۹. قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، انتشارات ناصر خسرو، تہران، چاپ اول، ۱۳۶۴ش.
۱۰. مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، چاپ اول، ۱۳۷۴ش.
۱۱. منتظری، حسین علی، درس ہایی از نہج البلاغہ، تہران، سرایی، جلد اول، چاپ دوم، ۱۳۸۳ش.
۱۲. نجفی خمینی، محمد جواد، تفسیر آسان، انتشارات اسلامیۃ، تہران، چاپ اول، ۱۳۹۸ق.
۱۳. کوثری، عباس، (۱۳۹۴)، فرہنگنامہ تحلیلی وجوہ و نظائر در قرآن (جلد اول)، قم: پژوہشگاہ علوم و فرہنگ اسلامی، دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، چاپ اول۔
۱۴. قرشی بنابی، علی اکبر، مفردات نہج البلاغہ، مقالہ اثم سے لیا گیا، ص ۲۶-۲۵.

قرآن کی نظر میں انسان کی علمی ترقی کی اہمیت

نویسندہ: بتول فاطمہ عابدی[1]

نظر ثانی: سید محمد علی عون نقوی[2]

تمہید

بعثت نبوی کے ابتدائی ایام سے ہی قرآن کا چراغ ہدایت جزیرۃ العرب کے تاریک اور سیاہ خطے میں نمودار ہوا ،مشکلات کے نشیب وفراز کے باوجود رسالت محمدیﷺ کی تابناک شعاعوں نے اقوام وجغرافیہ کی تخصیص کے بغیر مختلف میدانوں میں فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑے۔انسانوں کو اللہ کے صراط مستقیم کی جانب ہدایت ہوتی رہی اور ایک انتہائی قلیل مدت میں اسلامی حکومت تشکیل پا گئی۔قرآن کریم آج بھی قلوب کی چوٹیوں پر چمکتا نظر آتا ہے۔آج بشریت زمانہ قدیم کی جاہلیت کی پر پیچ راہوں سے تھک چکی ہے اور جدید تمدن کے فریب سے مضطرب اور پریشان حال ہے۔ایسے حالات میں قرآن حکیم آسمانی صحیفوں اور کتابوں میں خاتم کتب کی حیثیت سے اپنے بال وپر پھیلائے بشریت کو صداقت اور راستی ورستگاری کی طرف دعوت دے رہا ہے یہ مقدس آسمانی کتاب 'معجزہ' کے عنوان سے ظلمتوں کے خاتمے اور آزادی اور حریت کا پیغام دینے والی ہے۔

نزول قرآن کے بعد سے ہی اس آسمانی کتاب کو بے شمار ابعاد سے دیکھنے، سمجھنے اور جانچنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، گویا ایک لامتناہی سمندر ہے جس کو کسی بھی ساحل سے رک کر دیکھیں تو ایک نیا منظر نظر آئے گا،اور جتنے دیکھنے والے ہیں اتنے ہی مناظر بھی ہیں، جس کی جیسی دید ہے اس نے اس آسمانی معجزے سے ویسا ہی استفادہ کیا ہے،اور اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔

قراان مجید کی جو تفاسیر کی گئی ہیں اس کی بہت سے روشوں میں سے ایک روش قرآن کی علمی وسائنسی تفسیر ہے

---

۱ ۔ تفسیر اور علوم قرآن، ایم فل کی طالبہ، کینڈا

۲ ۔ رکن علمی بورڈ، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

۔جب ہم قرآن کی علمی سائنسی تفسیر کی بات کرتے ہیں تو اور بہت سارے مباحث کے ساتھ ایک یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ 'کیا قرآن کی نظر میں انسان کی علمی ترقی کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟

سائنسی علوم کی تعریف

علم یعنی جاننا، قدیم دور میں 'علم' ہر قسم کی حقیقت کے جاننے کو کہا جاتا تھا، لیکن مغربی تمدن کے عام ہونے کے بعد لفظ 'علم' صرف سائنس کے معنی میں محدود ہو گیا، اور سائنس کا لفظ بھی صرف طبعیات (فزکس، کیمسٹری، بیالوجی) کے لیے استعمال ہونے لگا'۔اس تحریر میں سائنسی علوم کے یہی رائج معنی مد نظر رکھے گئے ہیں ،یعنی طبیعی علوم جو تجربہ حس اور مشاہدے سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ یہ علوم مادہ (Matter) سے متعلق ہیں، اس لیے ان میں اتنی ہی وسعت ہے جتنی اس جہان مادی میں وسعت ہے۔

سائنس کی تعریف

سائنس کیا ہے؟

حقائق کا وہ منظّم علم جو تجربات اور مشاہدات سے حاصل ہوتا ہے سائنس کہلاتا ہے[۲]۔

سائنسی تحقیق کا طریقہ کار

فرضیہ:۔ کسی مسئلہ کا عارضی حل تجویز کرنا جسے اصطلاح میں فرضیہ کہتے ہیں۔

اختیارات:۔اس عارضی حل کی بنیاد پر کچھ نتائج اخذ کرنا

معطیات:۔ مشاہدات کے ذریعہ ان نتائج کو پرکھنا۔

تجربات:۔دستیاب معلومات کو پرکھنے کے لیے تجربات کرنا، یہ تجربات کسی فرضیہ کو درست یا غلط ثابت کرتے ہیں۔ غلط ثابت ہونے کی صرت میں ایک نیا فرضیہ قائم کیا جاتا ہے اور اسے پرکھا جاتا ہے، یہ سلسلہ اس

---

۱ -Cohen, Eliel (۲۰۲۱). "The boundary lens: theorising academic actitity". The University and its Boundaries: Thriving or Surviving in the ۲۱st Century ۱st Edition. New York, New York: Routledge. pp. ۱٤–٤۱

۲ -Wilson, E.O. (۱۹۹۹). "The natural sciences". Consilience: The Unity of Knowledge (Reprint ed.). New York, New York: Vintage. pp. ٤۹–۷۱

وقت تک جاری رہتا ہے جب تک درست نظریہ اور نتیجے تک نہ پہنچ جائیں۔

نظریہ:۔ تجربات کے نتائج کی بنیاد پر مسئلے کا حل۔

قانون:۔جب ہر طرح سے ثابت ہو جائے کہ نظریہ درست ہے تو وہ ایک قانون کی شکل اختیار کر لیتا ہے[۱]۔

قرآن مجید کا معجزاتی پہلو

قرآن معجزہ ہے، جب اس عنوان سے گفتگو کی جاتی ہے تو، قرآن کے معجزہ ہونے کا ایک رکن اس کی وہ آیات ہیں جو اس جہان مادی اور مادی خلقت انسان سے متعلق ہیں کیونکہ عنصر ملکوتی یعنی روح کے علاوہ انسان کا ایک پہلو جسم مادی بھی ہے۔ حیرت انگیز طور پر یہ آیات جو آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے اتریں وہ آج کی سائنسی ترقی سے ہم آہنگ ہیں۔ مثلا

رحم مادر میں جنین کے مراحل

سورہ مومنون ۱۴ میں ارشاد ہوا: ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (مومنون/۱۴) ترجمہ: پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

رحم مادر میں بچے کی خلقت کے مراحل و مدارج (Embryology) کا علم اس آیت مین بیان کیا گیا ہے ،اب جب کے رحم مادر میں تخلیق کے عمل کا مشاہدہ کرنے والے کیمرے ایجاد ہو چکے ہیں تو یہ حقائق سامنے آرہے ہیں کہ خلقت جنین رحم مادر میں قرآنی بیان کے عین مطابق ہے۔

---

۱ -See; Newton, Issac (۱۹۹۹) [۱۷۲٦ (۳rd ed.)]. Philosophiæ Naturalis Principia Mathematica [Mathematical Principles of Natural Philosophy]. The Principia: Mathematical Principles of Natural Philosophy. Translated by Cohen, I. Bernard; Whitman, Anne; Budenz, Julia. Includes "A Guide to Newton's Principia" by I. Bernard Cohen, pp. ۱–۳۷۰. (The Principia itself is on pp. ۳۷۱–۹٤٦). Berkeley, CA: University of California Press. ۷۹۱–۷۹٦ ("Rules of Reasoning in Philosophy")

دن اور رات کا آنا جانا

سورہ زمر آیت ۵ میں ارشاد ہوا یُکَوِّرُ اللَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی اللَّیْلِ اللہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے۔ عرب میں جب لفظ 'کور' واو کی شدت کے ساتھ آئے تو مبالغہ اور تکثیر کا معنی دیتا ہے بس اس کے باب تفضیل کے مصدر تکویر کا معنی ہے کسی شے کو ایک گول جسم کے گرد دائرہ کی شکل میں لپیٹنا جیسے سر پر عمامہ لپیٹتے ہیں گویا رات کو دن اور دن کو رات پر لپیٹنا زمین کی شکل گول ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ سائنس نے بہت بعد میں کشف کیا کہ زمین گول ہے۔

پہاڑوں کا زمین کو متوازن رکھنا

جدید تحقیق ہمیں بتاتی ہے کہ پہاڑ اصل میں زمین کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ جدید جغرافیہ کی اصطلاح مین اسے (Isostacy) کہا جاتا ہے[1]۔ جس کے مطابق جو ہلکا مادہ تھا وہ پہاڑ شکل میں ابھر آیا اور جو بھاری مادہ تھا وہ خندقوں کی طرح دب گیا جس میں اب سمندر کا پانی بھرا ہے اس ابھار اور دباو نے مل کر زمین کا توازن برقرار رکھا ہوا ہے[2]۔

سورہ انبیاء ۳۱ میں اللہ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۔

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے ہلنے (اور جھکنے) نہ لگے اور اس میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ان پر چلیں[1]۔ قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اس کائنات کے خالق کا کلام ہے اس لیے نظام خلقت سے متعلق آیات حقیقت کے عین مطابق ہیں

---

۱ -Dutton, Clarence (۱۸۸۲). "Physics of the Earth's crust; discussion". American Journal of Science. ۳. ۲۳ (April): ۲۸۳–۲۹۰.

۲ - See; Britannica, The Editors of Encyclopaedia. "isostasy". **Encyclopedia Britannica**, ٥ Mar. ۲۰۱۸, https://www.britannica.com/science/isostasy-geology. Accessed ۳ March ۲۰۲۲.

آیات قرآن کا نظام خلقت سے تضاد ممکن نہیں ہے

سورہ نساء میں ارشاد ہوا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا
بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔

اختلاف و تضاد کے ۲ پہلو ممکن ہیں

(۱) **داخلی**: کتاب کا ایک بیان دوسرے سے ٹکرائے

(۲) **خارجی**: کتاب کا کوئی بیان کائنات کے حقائق سے متصادم ہو

یہ دونوں اختلافات قرآن میں نہیں ہیں۔ اس مقام پر یہ سمجھنا ضروری ہے سائنسی نظریات (theories) اور مسلمہ سائنسی حقائق (established scientific facts) میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سائنس کی بہت ساری تھیوریز بعد میں غلط ثابت ہو جاتی ہیں، اس لیے اگر کوئی آیت اس وقت کی موجودہ سائنسی تھیوری سے سازگار نظر نہ آئی تو اس سے سوالات آیات پر نہیں بلکہ اس سائنسی نظریہ پر کھڑے ہونگے، اور جب تھیوری کو چھوڑ کر مسلمہ حقائق کی طرف توجہ دی جائیگی تو یہ تعارض و تضاد ختم ہو جائیگا۔

مقصد قرآن

قرآن مجید ہدایت کا منشور ہے جو نظام ہستی بنانے والے کی جانب سے ہے، قرآن کا مقصد انسان کی سائنسی مشکل حل کرنا نہیں ہے بلکہ یہ ہدایت بشر کے لیے ہے۔ یہ کتاب بندوں کو خدا تک سفر کرنے کا راستہ بتاتی ہے اور اس قصد کے لیے قرآن ہر اس طریقہ سے استفادہ کرتا ہے جس سے ہدایت کا پیغام انسان تک پہنچ جائے، کیونکہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے، کسی کے لیے بات مثال کے ذریعے سمجھنا آسان ہے، کسی کو فلسفی مطالب سمجھ میں آتے ہیں، کسی کے لیے دلیل و برہان میں ہدایت کا راستہ ہے، کچھ لوگوں کے لیے حسی مثالوں اور قصے کہانیوں کے ذریعے مطالب روشن ہوتے ہیں، غرض یہ کہ ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ سب کے لیے یکساں نہیں ہے اس لیے قرآن نے کہیں عالم غیب کے مطالب بیان کیے ہیں تو کہیں مچھر مثال بھی دی ہے کیونکہ غرض و غایت و ہدف اصلی ہدایت بشر ہے، انسان کو صراط مستقیم پر گامزن کرکے لقاء اللہ کے لیے تیار کرنا ہے۔

آیات میں سائنسی اشارے بیان ہونا اسی ہدف اصلی ایک پہلو اور طریقہ ہے۔

قرآن سے تمام علوم کا استخراج و استنباط

قرآن کے ہدف اصلی کو مد نظر رکھیں تو اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ 'کیا قرآن میں تمام انسانی و سائنسی علوم کو بیان کر دیا گیا ہے ؟

دوسری صدی ھجری کے آخر میں مامون عباسی کے دور میں جب یونانی، سنسکرت، پہلوی اور سریانی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے تو غیر اسلامی دنیا سے آنے والے علوم مثلا فلسفہ، طب، نجوم وغیرہ بظاہر قرآن سے متصادم نظر آئے، اس لیے کچھ مسلمان علماء اور مفسرین نے یہ کوششیں شروع کیں کہ ان علوم کو زبردستی قرآن کی آیات سے مطابقت دی جائے۔ ٦ صدی ھ کے بعد محققین جیسے ابو حامد غزالی، ابن ابی الفضل المرسی وغیرہ اس جانب مائل ہوئے کہ تمام علوم کی جزئیات قرآن میں موجود ہیں۔

بدر الدین زرکشی اور جلال الدین سیوطی نے اس نظریے کو قبول کیا کہ قرآن میں ہر علم کی جزئیات موجود ہیں ۔، یہ لوگ اس سلسلے میں افراط کا شکار ہو گئے۔ ان کے مقابلے پر کچھ لوگ تفریط کا شکار بھی ہوئے جیسے ابو اسحاق شاطبیؔ اندلسی جنھوں نے تفسیر علمی کو قطعی مسترد کر دیا۔

اس سلسلے میں معتدل ترین رویہ آیت اللہ محمد حسین طباطبائی صاحب 'المیزان' کا ہے، جو فلسفی ہیں اور حس اور تجربہ کی دنیا میں غرق ہونے کو عالم غیب سے متصل مسائل سمجھنے میں رکاوٹ سمجھتے ہیں لیکن اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر علوم تجربی کے ثابت شدہ حقائق سے مدد لیتے ہیں۔ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی اور آیت اللہ ہادی معرفت بھی اسی معتدل روش پر قائم ہیں کہ قرآن سائنسی مسائل حل کرنے کی کتاب نہیں ہے لیکن اس میں موجود سائنسی اشارے کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھاتے ہیں اور اس قرآن کے معجزہ ہونے کی ایک دلیل ہیں۔

کیا قرآن انسان کو علمی ترقی کی ترغیب دیتا ہے؟

انسان اللہ کی مخلوقات میں اشرف المخلوقات ہے ،اللہ نے انسان کو عقل جیسی نعمت سے نوازا ہے ،اسے اردہ و اختیار دیا ہے، اور پھر اسکی ہدایت تشریعی کے ذریعے صحیح راستے کی جانب رہنمائی بھی کردی گئی ہے۔

اب یہ انسان کا اپنا انتخاب ہے کہ چاہے تو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اعلی علیین کی منزل پر فائز ہو جائے اور اگر چاہے تو صحیح راستے سے منحرف ہو کر اسفل سافلین میں جاپڑے،

آیت اللہ محمد حسین طباطبائی اپنی کتاب المیزان فی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں 'قرآن کتاب ہدایت ہے اور ہدایت کے ہی عنوان سے انسان کو علمی ترقی کی ترغیب دیتا ہے بہت سی آیات قرآن میں انسان کو چمکتے ستاروں، ان کے حالات کے عجیب اختلاف ،زمین دریا وپہاڑ و بیابان اور ان کے اندر پوشیدہ عجائبات ،شب و روز کے اختلافات اور موسموں کی تبدیلیوں پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے ،نباتات کی حیرت انگیز خلقت اور ان پر حاکم نظام ، حیوانات کی خلقت اور وجود کی حدود ،انسان کی اپنی خلقت اور اس میں پنہاں اسرار ور موز پر فکر کی ترغیب دی گئی ہے'

اس طرح قرآن ، طبیعی، ریاضی، فلسفی ادبی اور ان تمام علوم کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو فکر انسانی کی دسترس میں ہیں اور ان کا جاننا انسان اور انسانی معاشروں کے لیے سعادت اور آسودگی کا سبب ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ فرماتا ہے

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کردیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ عقلمندوں کے لئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں (بقرہ/۶۳)

سورہ آل عمران میں فرمایا: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ (آل عمران/۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے

نشانیاں ہیں
سورہ رعد میں ارشاد ہو رہا ہے : وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کئے اور ہر طرح کے میوؤں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔
سورہ نحل میں ارشاد ہوا: وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (نحل/۱۲) اور اسی نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا۔ اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سمجھنے والوں کے لیے اس میں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں
ان آیات میں اللہ جہان بنی کی دعوت دے رہا ہے اولوالباب کو، عقل رکھنے والوں کو، غور و فکر کرنے والوں کو۔ یہ آیات جستجو اور تحقیق کا در کھول رہیں ہیں کہ انسان صرف اس کائنات سے استفادہ نہ کرے بلکہ بصیرت پیدا کرے کہ نعمات خداوندی اس تک پہنچتی کیسے ہیں۔ شیخ سعدی کا ایک جملہ ہے کہ 'انسان شعور پیدا کرے کہ اس کے منہ میں ایک نوالہ رزق کا پہنچانے کے لیے پورا کارخانہ قدرت کام کرتا ہے'۔
اللہ کی تمام مخلوقات اس عالم خلقت میں اللہ کے فیض سے مستفید ہوتی ہیں لیکن اللہ انسان سے چاہتا ہے کہ بس جانور کی طرح چارہ نہ چرے (کہ جس میں یہ فکر و سوچ نہیں ہوتی کہ یہ چارہ اگا کیسے ہے) بلکہ انسان کا اس کائنات سے استفادہ شعور اور معرفت کے ساتھ ہو۔

قرآن کی جہان بینی کی تشویق کے مزید مقاصد

دین اسلام ابتداء سے ہی انسان کے معنوی کمالات کے ساتھ ساتھ اس کی دنیاوی ترقی میں بھی نظم وضبط اور ترقی کا دروازہ کھولنے والا دین ہے، یعنی روح کے ساتھ ساتھ جسمانی و ذہنی ارتقاء کا بھی مذہب ہے۔اس کا بین ثبوت ہمارے آئمہ معصومین خاص کر امام محمد باقرؑاور جعفر صادقؑ کا اپنے مدرسوں میں فقہ ، کلام حدیث کے ساتھ ساتھ کیمیا، نجوم ، ریاضی، ہئیت اور دیگر علوم کی بھی تعلیم دینا ہے۔آئمہ معصومینؑ میں سے سب سے زیادہ علوم وفنون پھیلانے کا موقع انھی دوھستیوں کوملااور تاریخ شاہد ہے کہ آئمہؑ کے شاگردوں نے ان سے علم لیکر پوری دنیا کو منور کیا ہے۔خود امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں 'مشرق یا مغرب کہیں بھی چلے جاو، صحیح علم صرف وہی ہوگا جو ہمارے ذریعے سے ملا ہے'

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام معصومؑ دین کی تعلیم بھی دیتے تھے اور دنیا کی تعلیم بھی دیتے تھے، یعنی کچھ شاگرد امامؑ سے صرف دین پڑھنے آتے تھے اور کچھ صرف دنیا کے علوم ، نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آئمہ معصومینؑ نے ہر علم دین کے سائے میں پڑھایا ہے۔

علم کی یہ تقسیم کہ دینی علم اور دنیاوی علم ، یہ سیکولرازم کی دی ہوئی تقسیم ہے۔اگر ایک طالب علم جمادات ، حیوانات، نباتات اور فلکیات کا علم اس راہ پر حاصل کر رہا ہے کہ ان علوم کے ذریعے سے قدرت خدا کو پہچانے اور ان چیزوں میں مالک حقیقی نے جو فوائد مضمر کیے ہیں انھیں انسانیت کی بھلائی کے لیے کشف کرے تو یہ علوم غیر دینی ہرگز نہیں ہو سکتے، اور اگر کوئی امام جعفر صادقؑ سے فقہ اس نیت سے پڑھ رہا ہو کہ امامؑ کے مقابلے پر ایک مکتب بنالے (جیسا کی نعمان بن ثابت کوفی ابو حنیفہ نے کیا) تو کیا اس علم کو علم دین کہا جائیگا؟

آئمہ معصومینؑ کے علوم بانٹنے یہی مقصد و ہدف تھا کہ مخلوقات خدا کو پہچاننا، خالق کی عظمت کے ادراک کا سبب بنے۔آئمہؑ کے شاگردوں کی خاصیت یہ تھی کہ انھیں ہر علم دین کے سائے میں در علم سے حاصل ہوتا تھا، یہ سلسلہ مسلمانوں میں جاری رہا، بو علی سینا ایک مذہبی شخصیت اور فیلسوف ہیں لیکن اس کی وجہ شہرت ان کی حکمت و طبّی مہارت ہے۔بو علی سینا تاریخ کے پہلے جراح (surgeon) ہیں انھوں نے جراحی پر ۱۰ جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی ہے انھیں ماڈرن طب کا بانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح زکریا رازی، ابن الہیثم ، جابر بن حیان ، خواجہ نصیر الدین طوسی وہ لوگ ہیں جنھوں نے دین کی راہ پر کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ محمد بن

حسن عاملی المعروف شیخ بہائی، مفسر قرآن اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم نجوم، فلکیات اور ریاضی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ شیخ بہائی کی تعمیر کردہ عمارتیں آج بھی فن تعمیر کا بے مثل نمونہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے کائنات کا علم خالق کائنات کی معرفت کے ساتھ حاصل کیا۔

دینی اور دنیاوی علوم میں جدائی

جناب مہدی عباس اپنی کتاب 'اسلام راہ بندگی' میں لکھتے ہیں '

''آج کے معاشرے میں دین کا یہ حال ہے کہ دین کا نام آتے ہی دقیانوسی خیالات کا مالک، سائنسی ترقی کا مخالف، جدید علوم پر اعتراض کرنے والا، جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد پر بنائی گئی چیزوں کے حرام ہونے کا فتوی دینے والا، خواتین کی تعلیم کے خلاف، تفریح کو برا سمجھنے والا، نئے زمانے کے ساتھ ناسازگار اور جانے کتنے ہی ایسے خیالات ابھر کر سامنے آتے ہیں'۔ اس کے بعد اگلے صفحے پر لکھتے ہیں:

'۵' صدی عیسوی سی ۱۵ صدی عیسوی کا زمانہ قرون وسطی کہلاتا ہے۔ قرون وسطی کے آخر میں جب کلیسا کے مظالم کے خلاف بغاوت ہوئی اور مفکرین کی جانب سے مغرب کی بدبختی اور پسماندگی کو کلیسا کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ قرار دیا جانے لگا تو جہاں مذہبی لحاظ سے ایک نئے فرقے نے جنم لیا جو مسیحیت میں اصطلاحات کا طالب تھا، وہاں بہت سے لوگ اس جانب مائل ہونے لگے کہ 'ہماری مشکلات کا حل دین سے چھٹکارے میں ہے کیونکہ دین نے ہی ہمیں کلیسا کا غلام بنایا ہوا تھا'

قرون وسطی کے دور کی علم دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جو کلیسا کے نظریات کے خلاف بات کرے وہ کافر قرار دیا جاتا تھا، مثلاً ۱۵ صدی عیسوی تک یہ نظریہ تھا کہ زمین کائینات کا مرکز ہے اور تمام اجسام فلکی اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اطالوی سائنس دان گلیلیو (Galileo) نے اپنی بنائی ہوئی دوربین سے مشاہدہ کرکے کہا کہ 'زمین اور دیگر سیارے اپنے اپنے مدار میں سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں' یہ بات کیونکہ کلیسا کے عقائد کے خلاف تھی اس لیے نہ صرف اسے رد کر دیا گیا بلکہ جو اس نظریہ کو تسلیم کرے اسے واجب القتل قرار دیا گیا۔

انھی سختیوں، پابندیوں اور علم حاصل کرنے میں رکاوٹوں کی وجہ سے کلیسا کی حکومت کے خلاف بغاوت ہوئی اور کلیسا جب اپنی سیاسی قوت کھو بیٹھا تو لوگ آزادی کا احساس کرنے لگے۔ صنعتی انقلاب رونما ہوا اور لوگ یہ احساس کرنے لگے مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور دین کا مطلب ہر قسم کی ترقی کی راہ اپنے اوپر بند کرلینا ہے۔ اس

کے نتیجے میں یہ فکر پیدا ہوئی کہ دین نہ صرف یہ کہ علوم و فنون سے جدا ہے بلکہ علوم، فنون اور ترقی کی ضد ہے۔ دوسرے جانب سلطنت عثمانیہ کے آخر میں اور زوال کے بعد نہ صرف یہ کہ مسلمان علوم و فنون میں پیچھے رہ گئے بلکہ ایک مغلوب اور محتاج قوم میں تبدیل ہوے ّ اور مغرب کی مادی ترقی کو حسرت کا نگاہ سے دیکھنے لگے ۔مغرب کی تقلید کرتے ہوئے مسلمان بھی یہ احساس کرنے لگے ہماری زبوں حالی کی وجہ دین ہے۔اس کی زندہ مثال ان کے سامنے یورپ تھا جو کل تک کلیسا کے سائے میں تاریک دور سے گزر رہا تھا اور اب بے انتہا ترقی کر چکا تھا اور دین کی درست تفسیر نہ ہونا اور مغربی تمدن عام ہونا اس بات کا سبب بنا کہ مسلمانوں نے شعوری اور لاشعوری طور پر اس نظریے کو تسلیم کر لیا کہ ہمارے سامنے ۲ متضاد راہیں ہیں ایک علوم دین اور دوسرا علوم دنیا اور ظاہر ہے دو متضاد راہوں پر ایک ساتھ نہیں چلا جا سکتا۔

دعوت قرآن و ترجمان قرآن

قرآن مجید متعدد آیات میں جہان بینی اور نظام ھستی کو سمجھنے کی دعوت دیتا ہے اسی لیے قرآن ناطق یعنی آئمہ معصومین بھی اسی جانب رہنمائی کرتے ہیں جیسے کہ امام علیؑ اپنے خطبات میں علام کے دریا بہاتے ہوئے جہاں توحید و اسماء و صفات اللہ تبارک و تعالی پر گفتگو کرتے ہیں وہیں ابتدائے آفرینش زمین و آسمان و پیدائش آدم کا ذکر بھی کرتے ہیں (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱)

امام کا یہ کلام اس لیے نہیں کہ لوگوں کے سامنے اپنی علمیت ظاہر کرنا چاہ رہے تھے بلکہ امامؑ عالی مقام ہادی بشر ہیں اور امامؑ کا ہر کلام ہدایت بشر کے لیے ہے۔انسان کا اس عالم سے ارتباط ہے اگر انسان کو صرف ایک میٹر کی جگہ پر پیدا ہونا اور دو میٹر کی جگہ پر مرنا تھا تو تو اللہ کو اتنا کچھ انسان کے لیے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اتنی بڑی کائنات خلق کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔انسان کو اس اتنے وسیع عالم میں بھیجا گیا ہے تا کہ آیات خدا کا مطالعہ کرے جیسے ایک طالب علم کو لائبریری میں چھوڑا جائے اور وہ سوال کرے کہ یہاں کیا کروں؟ تو وہ کند ذہن کہلائے گا، ظاہر ہے ایک طالب علم کو لائبریری میں چھوڑا گیا ہے تا کہ مطالعہ کرے۔اسی طرح اللہ نے انسان کا اس وسیع کائنات میں ہونا بتاتا ہے کہ اس کائنات میں موجود آیات خدا کو پڑھو۔

آیات خدا کی کتب ۳ طرح کی ہیں

(۱) قرآن (لفظی)
(۲) آفاقی (عالم خلقت، یہ کائنات)
(۳) انفسی (خود انسان)

نقص محض سے کمال مطلق تک کا سفر طے کرنے کے لیے انسان کو عالم ھستی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم اس کائنات کی جیسی تفسیر کریں گے ویسا ہی قانون اور نظریہ اپنانا پڑے گا، جیسے کائنات کی خلقت کا ایک مغربی نظریہ یہ ہے کہ ' یہ کائنات ایک بہت بڑے دھماکے سے خود بخود وجود میں آگئی(Big Bang Theory)۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سب کچھ خود بخود بن گیا تو پھر نہ تو کوئی خالق ہے، نہ مقصد ہے، نہ ذمہ داری ہے اور نہ ہی انجام ہے۔جب یہ کہا جاتا ہے کہ انسان مسول ہے، ذمہ دار ہے اس کے لیے قوانین ہونے چاہیں، شریعت ہونی چاہیے، دستور ہونا چاہیے تو اس کے لیے پہلے اس کائنات کی درست تفسیر کی ضرورت ہے کہ اس جہان کا ایک خالق ہے، جو ناظم ہے، ناظر ہے اس کا کائنات سے رابطہ ربوبیت کا ہے اور پھر اسی خالق کائنات کی جانب سے اس دنیا میں رہنے والوں کے لیے ایک دین ہے، نظام ہے اور دستور ہے۔

اس لیے امام علیؑ نے اپنے خطبات میں خلقت کائنات کو بیان کیا ہے کہ اس کتاب آفاقی کا مطالعہ کرو تاکہ یہ آیات خدا تمہاری خدا تک رہنمائی کریں۔آیت اللہ جوادی آملی مد ظلہ العالی کا ایک بہت خبصورت جملہ ہے ' جو مدرسے میں پڑھ رہا ہے وہ قول خدا کی تفسیر کر رہا ہے اور جو لیبارٹری میں بیٹھا ہے وہ وہ فعل خدا کی تفسیر کر رہا ہے'، کیونکہ یہ کائنات فعل خدا ہے

جہان بینی اور علوم میں ترقی کیسی ہونی چاہیے

صرف اخلاق و شریعت ہی دین نہیں ہیں بلکہ یہ اخلاق و شریعت اس انسان کے لیے ہیں جو اس نظام ھستی میں موجود ہے، جب انسان اس کتاب آفاقی کو پڑھتا ہے اور عجائبات عالم اس پر آشکارہ ہوتے ہیں تو وہ بے اختیار سبحان اللہ پکار اٹھتا ہے، اس کا وجود خالق عالم کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ہے۔آیت اللہ محمد حسین طباطبائی 'مقام قرآن میں لکھتے ہیں '' بیشک قرآن علوم کی جانب دعوت دیتا ہے بشرط یہ کہ وہ جہان بینی خداشناسی کے سائے میں ہو' اگر یہ علمی ترقی دین کے سائے سے ہٹ کر ہو تو بے شعور مادہ انسانی اقدار پر غالب آجاتا ہے اور ہر شے کو مادی نگاہ سے دیکھا جانے لگتا ہے جیسا کہ ہوا ہے، وہ علمی ترقی جو دین خدا کے محور سے نکل کر ہوئی ہے اس کے نتیجے میں

آج عقل پر شہوت اور غضب کا قبضہ ہے، چند با اثر لوگ پوری دنیا کو غلام بنا کر ان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں، انسانی ترقی خود نسل انسانی کو ختم کرنے، معذور بنانے، محکوم بنانے اور محتاج بنانے کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ ولی الامر المسلمین آیت اللہ خامنہ ای نے چند دن پہلے اپنے خطاب میں فرمایا 'کہ ''امریکہ نے جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرانے کے بعد کہا اگرچہ ان بموں سے سینکڑوں ہزاروں لوگ مارے گئے لیکن یہ جنگ بندی کی قیمت تھی اور ہم نے امن قائم کر دیا ہے'، رہبر فرماتے ہیں' یہ کیسا منافقانہ بیان ہے جبکہ ہٹلر اور مسولینی مر چکے تھے اور جنگ خاتمے کے قریب تھی لیکن پھر بھی یہ بم برسائے گئے کیونکہ یہ بم بن چکے تھے اور ان کی کارکردگی اور فعالیت جاننے کے لیے ان بموں کا تجربہ کرنے کی اور انھیں آزمانے کی ضرورت تھی، اور بہترین موقع یہ جنگ تھی۔ امریکہ نے جنگ کے بہانے یہ بم جاپان کے بیگناہ لوگوں پر برسا دیے'۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ علم جب رحمانیت کے سائے سے نکل کر شیطنت کے سائے میں پروان چڑھتے ہیں تو کیسی تباہی لاتے ہیں۔ علام ترقی کرتے ہیں انسانیت تنزلی کرتی ہے اور وہ علوم جنھیں خدا کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہونا چاہیے وہ انسان کہ مقام انسانیت سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ سورہ جاثیہ میں ارشاد ہوا

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (جاثیہ/۲۳) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے۔ کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب خدا کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے۔ بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے اگر علوم صرف خواہشات کے لیے ہوں تو حجاب بن جاتے ہیں، اور نحوست و بربادی لاتے ہیں لیکن اگر علوم کی ترقی دین کے سائے میں ہو تو برکات لاتی ہے، بیماریوں کا علاج ملتا ہے، زمین کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے، عالم اسلام دشمنان دین سے مقابلے کے لیے آمادہ ہوتا ہے، انسانیت ارتقاء کرتی ہے۔ ابھی حال ہی میں اسلامی جمہوریہ ایران میں تیار ہونے والی سیٹالائٹ 'نور' کو ملک میں ہی تیار ہونے والے لانچر کے ذریعے خلاء میں بھیجا گیا ہے بیشمار اقتصادی پابندیوں اور دشمن کی نظام ولایت فقیہ کو ختم کرنے کی اندرونی اور بیرونی سازشوں کا سامنا کرنے کے باوجود مملکت ایران کی یہ کامیابی بتاتی ہے کہ آئمہ معصومین کے تعلیم کردہ علوم کا فروغ اگر نظام ولایت کے سائے میں ہو تو یہ امت مسلمہ کی سربلندی۔ نجات، کامیابی اور عزت کا ضامن ہے۔

شہید سید حسن مدرس فرماتے ہیں: 'میرے والد اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ اسلام نے حصول علم کو واجب قرار دیا ہے لیکن صرف علم کافی نہیں ہے، مسلمانوں کو علم و تقوی کی صورت میں دو بال وپر درکار ہیں ،انگریز کے پاس علم ہے تقوی نہیں ہے،اگر مسلمان کے پاس دونوں آجائیں تو کوئی ان پر مسلط نہیں ہوسکے گا۔

مآخذ و مصادر

١. قرآن مجید

٢. نہج البلاغہ

٣. دستغیب، سید عبدالحسین، نصائح، قم

٤. رضایی اصفہانی، محمد علی، قرآن وعلوم بشری، انتشارات المصطفیٰ، قم ١٣٩٦

٥. طباطبائی، سید محمد حسین، مقام قرآن، قم

٦. عباس، مہدی، راہ بندگی

٧. نقوی، سید جواد، آداب فہم قرآن

٨. ہاشمی، پرویز، قرآن کائنات اور انسان

قرآن اور سُنت کی روشنی میں صحت کے اصول

نویسندہ: تہمینہ عباس[1]

نظر ثانی: ڈاکٹر جابر محمدی[2]

خلاصہ

انسانی سلامتی یا صحت میں انسان کا جسم اور روح دونوں شامل ہیں۔ اور اس لحاظ سے صحت کے اصول، جن بیماریوں کے بچاؤ اور علاج کے بارے میں بتاتے ہیں، ان میں جسمانی، نفسیاتی، روحانی سب طرح کی بیماریاں زیرِ بحث آتی ہیں۔ ہم اس تحریر میں صرف انسانی بدن کی بیماریوں کے متعلق حفاظتی اصول بیان کریں گے۔

مرض یا بیماری کی تعریف مشہور پیتھالوجسٹ ولیم بوئڈ (William Boyd) نے اسطرح کی ہے کہ بیماری فزیالوجی (Physiology) یا قدرتی حالت ہے جس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے" یعنی ہم جب قدرتی عمل میں دخل اندازی کرتے ہیں تو اسکا نتیجہ غیر قدرتی عمل (یعنی بیماری) کی صورت میں نکلتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت بیان کر رہی ہے: ترجمہ: "تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔" قرآن کریم اگرچہ کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے بلکہ اسکا محور انسان اور اسکی ہدایت و سعادت ہے تاہم اسکے باوجود قرآن مجید بہت ساری آیات کائناتی اور سائنسی حقیقتوں کے بارے میں بیان کر رہی ہیں۔ آیاتِ قرآنی کا یہ پہلو ہمیشہ سے محققین کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور مختلف سائنسی اور انسانی علوم کی دلچسپی کا باعث بھی رہا ہے۔ قرآن کی سائنسی تفسیر یا علمی تفسیر بھی درحقیقت اسی تناظر میں تشکیل پائی ہے۔ اور اب تک مختلف موضوعات پر بہت ساری تحقیقات انجام پا چکی ہیں۔

کلیدی کلمات: صحت، اصول، قرآن، سنت

---

[1] ۔ تفسیر اور علوم قرآن، ایم فل کی طالبہ، عمان

[2] ۔ کورس منیجر، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

تمہید

صحت: یعنی تندرستی، اسکے مترادف لفظ سلمہ بھی ہے یعنی سلامتی

اصول: اصول، اصل سے ہے جسکے لغوی معنی جڑ (Root) ہے لیکن اصطلاح میں اصول کا مطلب ہوتا ہے قواعد و ضوابط۔

انسانی سلامتی یا صحت میں انسان کا جسم اور روح دونوں شامل ہیں۔ اور اس لحاظ سے صحت کے اصول، جن بیماریوں کے بچاؤ اور علاج کے بارے میں بتاتے ہیں، ان میں جسمانی، نفسیاتی، روحانی سب طرح کی بیماریاں زیرِ بحث آتی ہیں۔ ہم اس تحریر میں صرف انسانی بدن کی بیماریوں کے متعلق حفاظتی اصول بیان کریں گے۔

مرض یا بیماری کی تعریف مشہور پیتھالوجسٹ ولیم بوئڈ (William Boyd) نے اسطرح کی ہے کہ بیماری فزیالوجی (Physiology) یا قدرتی حالت ہے جس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے" یعنی ہم جب قدرتی عمل میں دخل اندازی کرتے ہیں تو اسکا نتیجہ غیر قدرتی عمل (یعنی بیماری) کی صورت میں نکلتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت بیان کر رہی ہے: ترجمہ: "تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے"

قرآن کریم اگرچہ کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے بلکہ اسکا محور انسان اور اسکی ہدایت و سعادت ہے تاہم اسکے باوجود قرآن مجید بہت ساری آیات کائناتی اور سائنسی حقیقتوں کے بارے میں بیان کر رہی ہیں۔ آیاتِ قرآنی کا یہ پہلو ہمیشہ سے محققین کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور مختلف سائنسی اور انسانی علوم کی دلچسپی کا باعث بھی رہا ہے۔ قرآن کی سائنسی تفسیر یا علمی تفسیر بھی در حقیقت اسی تناظر میں تشکیل پائی ہے۔ اور اب تک مختلف موضوعات پر بہت ساری تحقیقات انجام پا چکی ہیں۔ اسی طرح کا ایک موضوع انسان کی صحت کے اصول ہیں کہ جسے قرآن پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور بہت ساری طبّی علوم کی کتب بھی ان کی وضاحت میں لکھی جا چکی ہیں۔ اور بہت سارے لکھنے والوں نے صحت کے اصولوں کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اور انہیں اپنے مقالوں اور کتابوں کی صورت میں لکھا ہے۔

لہٰذا اس تحقیق میں کوشش کی جائے گی کہ انسان کی صحت و سلامتی کے سلسلے میں قرآن اور حدیث کی نظر کا

جائزہ لیا جائے اور موجودہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں قرآنی نکتہ نظر کی وضاحت کی جائے۔
یوں تو قرآن کی بہت ساری آیات، انسان کی صحت و سلامتی کے بارے میں وضاحت کر رہی ہیں لیکن ہم نے مندرجہ ذیل آیات کو تحقیق کا موضوع بنایا ہے:
ا۔ فَأَنشَأۡنَا لَكُم بِهِۦ جَنَّٰتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعۡنَٰبٍ لَّكُمۡ فِيهَا فَوَٰكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنۡهَا تَأۡكُلُونَ۔ (مومنون/۱۹) ترجمہ: ’’پھر ہم نے اس پانی میں سے تمہارے لئے خرمے اور انگور کے باغات پیدا کئے جن میں بہت زیادہ میوے پائے جاتے ہیں اور تم انہیں میں سے کچھ کھا بھی لیتے ہو۔‘‘
۲۔ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡاْ۔ (طہ/۸۱) ترجمہ: ’’تم ہمارے پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ اور اس میں زیادتی نہ کرو۔‘‘

اہمیت و ضرورت:

انسانی صحت و سلامتی کے اصولوں کے بارے میں مختلف آیات اور احادیث میں تذکرہ ہے جن پر غور و فکر کرنے سے بلاشبہ انسان کا خدا اور رسول ﷺ پر یقین اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کی آیات (جو کہ چودہ سو سال پہلے نازل ہوئیں) اور رسول خدا ﷺ کی احادیث جو اس زمانے میں فرمائی گئیں، وہ آجکل کے جدید طبّی علوم کی وضاحت بہت اعلیٰ طریقے سے کر رہی ہیں اور کچھ علمائے تفسیر اسے قرآن کا ’’سائنسی معجزہ‘‘ کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔
آجکل کے زمانے میں جب کہ انسانی عقول اور اذہان نے کافی ارتقاء کیا ہے اور تمام علوم خصوصاً سائنسی علوم کی ترقی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے اور لوگوں کے ذہن سائنسی علوم کو قبول کرنے کے لئے بہت جلدی آمادہ ہو جاتے ہیں۔
خاص طور پر نوجوان نسل، جن کو چیزیں سمجھانے کے لئے ہر چیز کی منطق (Logic) اور ثبوت فراہم کرنا ضروری ہو گیا ہے، انکے ذھنوں کو خدا کے قریب کرنے یعنی معرفتِ حق کے لئے قرآن اور حدیث سائنسی اصولوں کے بارے میں جو تذکرات ہیں انکی وضاحت کرنا بہت فائدہ مند نظر آتا ہے۔
البتہ ان ساری باتوں کے باوجود یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ہمارا مطلب و مقصد سائنسی توجیہات کو قرآن تک

اور بالآخر خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا ہے نہ کہ قرآن اور حدیث کے حقائق کو سائنس کے نظریات واصولوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا ہے کیونکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم یقین محکم رکھتے ہیں کہ ابھی تک سائنس، قرآن میں موجود قوانین واصول کو پوری طرح سے کشف نہیں کر سکی ہے اور زمانہ جتنا بھی ترقی کر جائے، سائنس قرآنی علوم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی حتیٰ کہ ہم سب کے دلوں کی حقیقی مراد برائے یعنی مولا امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) تشریف لے آئیں اور دنیا خود مولا امامِ زمانہؑ کی زبان مبارک سے قرآن کی تفسیر سُنے (انشاءاللہ) آمین یارب العالمین۔

تحقیق کے سوالات

۱. انسانی صحت وسلامتی کا مفہوم قرآن وسنت کی روشنی میں کیا ہے؟

۲. قرآن اور سنت میں انسان کی صحت وسلامتی کے بارے میں کیا اصول بیان ہوئے ہیں؟

۳. کیا قرآن اور سنت میں بیان کردہ صحت کے اصول قرآن کی صداقت وحقانیت پرکھنے کا معیار بن سکتا ہے؟

ہر معاشرے میں انسان کی جسمانی اور ذھنی تندرستی زندگی کا ایک بہت ہی اہم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اسلام کی تعلیمات جسمانی اور ذھنی صحت کو، مسلمانوں کا ایک بہت قیمتی موضوع اور اچھے کردار کی تعمیر وترقی کا بنیادی عنصر سمجھتی ہیں اور انسانیت کے سکون وآرام کا ضامن بھی۔

قرآن کی متعدد آیات اور رسول خدا ﷺ اور آئمہ (علیہ السلام) کی بہت ساری احادیث میں انسانی صحت و سلامتی کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان تعلیمات کے مطابق انسان کی سلامتی کا تصور اسکی ہدایت اور اسکی آخرت میں کامیابی کے ساتھ لیا جاتا ہے اور حقیقتاً قرآن اور سُنت کا اصل ہدف بھی انسان کی ہدایت و سعادت ہے لیکن اس ہدایت و سعادت کے رستے پر چلنے کے لئے انسان کو ایک مکمل جسمانی اور ذھنی لحاظ سے صحتمند وجود کی ضرورت ہے جیسے کہ قرآن اور رسول ﷺ اور آئمہ (علیہ السلام) کی احادیث بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

قرآن طب کی کتاب نہیں ہے لیکن قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کا رب یعنی پالنے والا۔ اسکی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کے رشد و کمال میں جو چیزیں اور عناصر بھی کارفرما ہیں ان کے بارے میں اسے ہدایت دے۔ اس تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ معنوی ہدایت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسان

کی دُنیاوی سلامتی کی ہی راہنمائی کی ہے جسمیں انسانی صحت سر فہرست ہے۔ اور انسانی صحت میں انسان کی جسمانی صحت اور ذھنی صحت دونوں شامل ہیں اور قرآن میں جہاں انسانی ذھنی صحت، نفسیاتی صحت کے بارے میں کافی آیات میں بیان کیا گیا ہے وہیں جسمانی صحت کے اصولوں کے بارے میں بھی بیان موجود ہے۔ اسی طرح محمد ﷺ اور آئمہ (علیہ السلام) کی احادیث میں بھی جسمانی صحت کے اصولوں کے بارے میں بہت تفصیل سے بات کی گئی ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل حدیث: اسی کو بیان کر رھی ھے۔

”پانچ صفات ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی کے پاس نہ ہو تو اسکی زندگی نامکمل، عقل زائل اور دل غافل ہوتا ہے۔ ان میں سے اول جسم کی سلامتی ہے۔“

قرآن و حدیث میں انسانی صحت و سلامتی کے اصول

قرآن ایک ضابطہ حیات ہے اور رسول اکرم ﷺ اور آئمہ (علیہ السلام) کی زندگی مکمل نمونہ حیات ہے۔ اسی لئے قرآن کی آیات اور معصومینؑ کی احادیث میں جہاں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں بات ہوئی ہے وہیں انسانی صحت کے بارے میں بھی بھرپور انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

میڈیکل سائنس کی طرح اسلام بھی بیماریوں کے علاج سے زیادہ ان سے بچاؤ کی تراکیب اور پرہیز پر زیادہ زور دیتا ہے، اور قرآن و احادیث میں انسانی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے بہت واضح ہدایات موجود ہیں جن میں سے غذا، صفائی، اور ورزش سر فہرست ہیں۔

غذا اور غذائیت (Nutrition):

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے اتنا زیادہ پیار ہے کہ وہ اس چیز کا بھی خیال رکھتا ہے کہ ہمیں کیا کھانا چاہیئے اور کیا نہیں کھانا چاہیئے اور دوسرے لفظوں میں کیا کھانا ہمارے لئے فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ؟

ہمارے عضلات، ہڈیاں، پھیپھڑے، جگر، دماغ اور ہمارے ہارمونز، اس خام مواد سے بنتے ہیں جو ہم کھاتے ہیں۔ اگر ہم بدن کو ناقص (Junk) خام مواد فراہم کر دیں گے تو مضبوط ہڈیاں اور عضلات اچھا دل اور صاف نالیاں (Vessels) قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

ا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۔ (بقرہ/۱۶۸) ترجمہ: ”اے انسانوں زمین میں جو کچھ بھی حلال و

طیب ہے اسے استعمال کرو"

۲۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ۔ (مائدہ/۳) ترجمہ : "تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت اور جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔"

خون اور مردار کا گوشت جراثیم سے اور نقصان دہ عناصر جیسے اینٹی بوڈیز (Antibodies) سے بھرا ہوتا ہے ۔سور کا گوشت کولیسٹرول (Cholesterol) ، اور نمک بھرپور ہوتا ہے اور بہت سارے بدنی کیڑے(Worms) اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے قرآن میں شراب (Alcohol) کو حرام قرار دیا ہے۔ اور شراب کے نفسیاتی اور جسمانی نقصانات سے ایک عام انسان بھی واقف ہے۔

حرام اور حلال غذا کے علاوہ دوسری بات جو خوراک کے سلسلے میں قرآن اور سنت میں بیان ہوئی ہے وہ ہے حلال خوراک میں اعتدال رکھنا۔

موٹاپا (obesity) آجکل دنیا کے تقریباً ہر حصے کے لئے ایک بہت گھمبیر مسئلہ ہے۔ جو کہ ایک بسیار خوری کی قسم ہے جو ہر عمر کے ہزاروں لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے (۹۹ فیصد) موٹاپا، بسیار خوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ قرآن میں ہمیں مقدار میں اعتدال کی تلقین کرتا ہے۔

۱۔ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ (الاعراف/۳۱) ترجمہ : "اور کھاؤ پیئو مگر اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

۲۔ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ۔ (طٰہ/۸۱) ترجمہ : "تم ہمارے پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ اور اس میں زیادتی نہ کرو۔"

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ "ایک تہائی معدہ کو خالی چھوڑ دیں جب جب ہم کھانا کھائیں۔"

ہم سب اس حدیث کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں اگر کبھی ہم زیادہ کھانا کھا جائیں تو جو حالت ہوتی ہے اسکو بیان نہیں کیا جاسکتا بلکہ صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔

کچھ قسم کی غذا مثلاً پھل پر قرآن کی آیات میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ (نحل/٦٧) ترجمہ

:"اور پھر خرمہ اور انگور کے پھلوں سے وہ شیرہ نکالتے ہیں، جس سے تم نشہ اور بہترین رزق سب کچھ تیار کر لیتے ہو۔اس میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

پھلوں میں کیلوریز کم ہوتی ہے اسی طرح وٹامنز نمکیات (Minerals)، فائبر وافر مقدار میں ہوتے ہیں اور شکر فرکٹوس (Fructose) کی شکل میں ہوتی ہے اور سکروز (Sucrose) نہیں ہوتی۔ ایک حالیہ سٹڈی (Study) جو Dr.Anderson نے کی ہے اسکے مطابق فرکٹوس (Fructose) سے بلڈ شوگر زیادہ نہیں ہوتی بلکہ ذیابطس (Diabetes) میں زیادہ شوگر لیول کو کم کرتی ہے۔اسی طرح شہد میں بھی(Fructose)ہوتی ہے اور شہد کے فوائد قرآن اور حدیث دونوں میں بیان ہوئے ہیں۔

صفائی(Cleanliness):

اللہ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ وہ صاف ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔اسی لئے جسم اور ذہن کی صفائی اور پاکیزگی پر قرآن میں بہت زور دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا

(نساء /۴۳)ترجمہ :"اے ایمان والو خبردار ! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک ہوش نہ آجائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی مگر یہ کہ راستہ سے گزر رہے ہو جب تک غسل نہ کرو۔"

حضورؐ کی حدیث ہے: "صفائی نصف ایمان ہے۔"

دانت صاف کرنا (مسواک) یا Brushing جو کہ زمانہ قدیم سے موجود ہے۔ حضورؐ نے ہماری روزانہ کی Routine کے طور پر بہت زور دیا ہے۔آپؐ نے ہمیں خلال (Floss) کے بارے میں بھی بہت زیادہ تاکید کی ہے اور آجکل Dentist بھی اس پر زور دیتے ہیں۔

حقیقتاً آپؐ نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں کے لئے مشکل نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا یعنی "۵ بار دن میں"

ورزش (Exercise) :

اگرچہ قرآن میں ابھی تک ہمیں کسی مخصوص ورزش کے بارے میں بہت زیادہ نہیں مل سکا (اسکی ممکنہ وجہ ابھی تک انسان کی اپنی کم علمی اور قرآن مجید پر بھرپور گرفت نہ ہونا) لیکن حضرت محمدؐ اور آئمہ (علیہ السلام) کی احادیث میں اس بارے میں کچھ ملتا ہے ۔ آپؐ نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ بچوں کو تیراکی (Swimming) ، تیر اندازی اور گھڑ سواری کی تعلیم دیں۔آپؐ خود بھی ایک چاک و چوبند (Active) زندگی گزارتے تھے۔ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ آپؐ گھر پر ہوں تو بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنا پسند فرماتے تھے اور جب اپنے صحابہ کے ساتھ ہوتے تھے تو لکڑیاں اکٹھی کرنے ، خندق کھودنے ، جنگ میں لڑنے میں برابر کا حصہ لیتے تھے۔

قرآن و حدیث میں بیان کردہ صحت کے اصول؛ قرآن کی صداقت و حقانیت کی دلیل

قرآن اور حدیث میں بیان کردہ صحت کے اصول قرآن کی صداقت و حقانیت کی دلیل کے طور پر نہیں لئے جا سکتے کیونکہ اگرچہ قرآن اور حدیث میں صحت کے اصول آجکل کی طبّی سائنس میں صحت کے اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں اور ان میں کوئی بھی تضاد نظر نہیں آتا۔ لیکن پھر بھی ہم ان اصولوں کو قرآن کو ثابت کرنے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے بلکہ حقیقت میں ایسا کرنا ہمارے نزدیک بلکل صحیح اور درست نہیں ہے کیونکہ سائنسی علوم خود حقیقت نہیں رکھتے بلکہ سائنسی علوم وایجادات ، سب اللہ تعالیٰ کے اس کائنات میں بنائے گئے قوانین و ضوابط کی کشف و دریافت ہیں اور خود سے بنائے گئ (خلق کی گئ) کوئی چیز نہیں ۔اسکے علاوہ سائنس کے قوانین و ایجادات کی حقانیت ہم قرآن سے ثابت کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور بحثیت مسلمان ہم اس کی حقانیت و صداقت کو مانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اسکے مسلمہٗ حقیقت ہونے کا اعلان کر رہا ہے اور رسول پاک ﷺ اور آئمہ (علیہ السلام) کی احادیث بھی قرآن کی حقانیت بیان کر رہی ہیں۔ اگر سائنس کی کسی بات کو ہم قرآن سے ثابت نہیں کر پا رہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن میں اس کا بیان نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عقول و ذھن کی رسائی وہاں تک نہیں ہے جو قرآن بیان کر رہا ہے اور جوں جوں انسانی عقل کا ارتقاء ہو گا ، انسان ان مطالب کو بھی قرآن سے کشف کر لے گا اور صحیح اور

حقیقی تفسیر قرآن تو ہم مولا امامِ زمانہ علیہ السلام کی زبان سے بھی سُن سکیں گے انشاء اللہ تعالیٰ

نتیجہ (Conclusion)

قرآن اور حدیث میں صحت کے اصولوں کے بارے میں بہت زیادہ بیان کیا گیا ہے اور انسان کو بتایا گیا ہے کہ کیسے ہم اپنے آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اگر بیماری آ جائے تو ہمیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حقیقی طبیب سمجھنا چاہیئے۔ اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم بیماری میں دنیاوی طبیبوں (Doctor) کے پاس نہ جائیں بلکہ ہمیں تمام دنیاوی ذریعے استعمال کرنے ہیں اور اپنا دنیاوی علاج کروانا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے شفا کی دعا کرنی ہے کیونکہ حقیقی شفا رب کے پاس ہے اور وہ ذریعہ اور واسطہ بناتا ہے جو کہ Medical Treatment ہے۔

ایک روایت ہے: "اے لوگوں دوا استعمال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض خلق نہیں کیا بغیر اسکا علاج پیدا کیئے"

اس کے علاوہ ہمیں چاہیئے کہ بیماریوں، انکے بچاؤ اور انکے علاج کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

مختصراً ہمارا صحت مند جسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے۔ ہمیں امانت سونپی گئی ہے اور ہمیں اس کو غلط طریقے سے استعمال کرنے کا حق بالکل نہیں ہے، جبکہ ہم آجکل سستی سے بھرپور زندگی گذار رہے ہیں، موٹاپا ہماری صفوں میں گھس گیا ہے اور اس وجہ سے طرح طرح کی بیماریوں میں ہو گئے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم قرآن اور حدیث میں موجود صحت کے اصولوں پر عمل کرکے اپنے آپ کو جسمانی اور ذہنی طور پر فٹ (Fit) رکھیں اور اپنے بچوں کو بھی اسکی تعلیم دیں تاکہ غیبت امام علیہ السلام کے زمانے میں ہم اچھے طریقے سے زمینہ سازی کر سکیں اور مولا علیہ السلام کی آمد کے بعد ایک اچھے صحتمند اور متقی و پرہیزگار ساتھی کے طور پر مولاؑ کی مدد کے لئے کھڑے ہوں (انشاءاللہ) آمین۔

تحقیق کے مصادر

۱. قرآن کریم

۲. ۔مودودی، ابولاعلیٰ، تفہیم القرآن، ملتان، سنہ ۱۹۴۹ء ادارہ ترجمان القرآن، طبع اول

۳. جوادی، مولانا ذیشان حیدر، انوار القرآن (ترجمہ و حواشی) کراچی، نور القرآن ویلفئیر ٹرسٹ، طبع اول

۴. ری شہر، محمدی، میزان الحکمت، محمد علی، اردو بازار لاہور، سنہ ۱۴۳۲ ھجری، مصباح القرآن ٹرسٹ، طبع دوم

۵. طباطبائی، علامہ محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، مترجم غدیری، حسن رضا، اسلام آباد، سنہ ۲۰۱۳ء مکتبہ جدید پریس لاہور، طبع اول

۶. نجفی، محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن، شوکت پریس لاہور، سنہ ۲۰۱۳ء، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور، طبع اول

۷. نصراللہ، سید، حسن، رولنڈ میچڈ (Roland Michaud)، امریکہ، سنہ ۱۹۷۶ء ورلڈ آف اسلام فیسٹیول پبلیکیشن کمپنی (World Of Islam Festival Pub.co)

۸. Maffetore, Philip ۲۰۱۲ Google Books , The Big Book Of Health and Fitness, America

Naik, Zakir Abdul Kareem, The Quran & Modern Sciences (Compatible or Incompatible) Riyadh, ۲۰۰۷, Islamic Research Foundation (Google Scholar)

قرآن کریم کی نظر میں دینی انحرافات کے عوامل

نویسندہ: عطیہ کاظمی[1]

نظر ثانی: عون علی جاڑوی[2]

مقدمہ

دین، اللہ تعالی کی طرف سے دیا گیا ایک ضابطہ حیات ہے، لہٰذا اس پر عمل کرکے انسان ان منازل کو پا سکتا ہے جن کے لیے وہ خلق کیا گیا ہے۔ لیکن شخصی اغراض و مقاصد جو شیطان کی طرف سے انسان کے دل و دماغ میں پیدا کیے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالی کی طرف سے دیے گئے اس ضابطہ حیات کو ترک کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، جن کو "انحراف" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ ان انحرافات کے عوامل کو بیان کیا جائے۔

خلاصہ

انسان کو اپنے ہدف سے دور کرنے کے لئے اور معاشرے میں جاری قوانین کی پیروی کرنے سے روکنے کے لئے جو عوامل ہیں ان میں کچھ عوامل انسان کی ذات سے متعلق ہیں اور کچھ عوامل خارجی ہیں۔ قرآن کریم کی نگاہ میں ذاتی عوامل میں سرفہرست عامل "ہوای نفس" ہے اور خارجی عوامل کی بھی قرآن کریم تایید کرتا ہے۔

کلیدی کلمات: دین، قرآن، انحراف، انحراف کے عوامل

دین کے لغوی معنی

لغت کی کتابوں میں دین کے بہت سے لغوی معنی ذکر کیے گئے ہیں جیسا کہ ملک و بادشاہی، سزا اور جزا، عزت و

---

۱ ۔ تفسیر اور علوم قرآن (ماسٹرز) کی طالبہ، پاکستان

۲ ۔ کورس منیجر، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

سرفرازی، ہمبستگی، تذلل اور فروتنی، اسلام اور توحید، ریاست وفرمانبرداری۔ دین نام ہے اس چیز کا کہ انسان جس پر اعتقاد رکھتا ہے۔ دانشگاہ امام صادق کے پروفیسر "بیوک علی زادہ" کہتے ہیں لغت میں دین کے بہت سے معنی ہیں جیسے جزا، اطاعت، قہر وغلبہ، عادت، پیروی اور اس کے بہت سارے دوسرے معانی ہیں۔ خود قرآن کے اندر اس بارے میں آیات موجود ہیں کہ جن میں دین سے مراد جزا، شریعت، قانون اور اطاعت و بندگی لیا گیا ہے۔

علامہ طباطبای نے اپنی کتاب (تفسیر المیزان) میں دین کے بارے میں تحریر کیا ہے۔"لایدینون دین الحق" اس آیت سے مراد ہے"لایطیعون" یعنی وہ صحیح مذہب کی پیروی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں مائل ہوتے ہیں یا وہ اس کو صحیح مذہب نہیں مانتے۔

یہ سارے معانی علامہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں لہٰذا ان تمام معانی سے جو مطلب نکالا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ کی بھی دین سے مراد پیروی کرنا، مائل ہونا، ماننا اور اطاعت کے ہیں۔

دین کے اصطلاحی معنی

اسلامی دانشور بعض اوقات دین کو "مکتب" اور بعض اوقات دین کو بے معنی دین داری میں استعمال کرتے۔
(حیات تعقلی اسلام ۴۲، ۷۰، ٦٦؛ یاد نامہ استاد مطہری ۱۱۷)

اس اعتبار سے دین کو مختلف عبارت میں استعمال کیا جاتا ہے:

ا۔ دین عملی پروگراموں کا ایک مجموعہ ہے جس کو انسان بہترین نظریہ کے مطابق اپنی خوشی کے حصول کے لیے خود مرتب کرتا ہے یا پہلے سے موجود پروگرام کو قبول کرتا ہے۔

۲۔ دین عقائد، اخلاقیات، قوانین اور قواعد وضوابط کی مکمل حیثیت ہے جو انسانی معاشرے کے امور اور انسانوں کی پرورش پر حکومت کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ قواعد و ضوابط سب صحیح ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ قواعد و ضوابط غلط ہوتے ہیں اور کبھی صحیح اور غلط کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ان دونوں تعریفوں میں دین سے مراد مکتب ہے پس ان دونوں تعریفوں سے ہم دین کے معنی بطور عام لے سکتے ہیں۔

۳۔ دین سے مراد دنیا اور انسان کے لیے کسی تخلیق کار پر یقین کرنا اور ان عقائد کے لیے موزوں عملی ہدایات

کو دین کہا جاتا ہے۔اس تعریف میں دین سے مراد دین داری ہے مکتب نہیں ہے۔

انحراف کے لغوی معنی

لغت کی کتابوں میں ان سے مراد صحیح راستے سے دور ہو جانا ہے۔اس کے علاوہ ناظم الاطباء،اقرب الموارد میں انحراف سے مراد خواہش اور لوٹنا بتایا گیا ہے۔اس کے علاوہ کتاب غیاث اللغات میں انحراف سے مراد کجروی اور نافرمانی ہے۔ جس طرح انحراف اخلاقی سے مراد اخلاق کے اصولوں کو ترک کر دینا اور اخلاقی اصولوں کو چھوڑ دینا ہے۔

انحراف کی دوسری تعریفیں

انحراف کو مختلف نقطہ نظر سے تعریف یا بیان کیا جاسکتا ہے۔کچھ لوگوں نے انحراف کو قانونی نقطہ نظر سے دیکھا ہے اس کی وضاحت اس طرح سے ہے وہ عمل جس کو کسی قانون کے تحت منع کیا گیا ہو اور اس کا مرتکب قانون کی نگاہ میں مجرم قرار پائے۔ یہ بھی انحراف کی ایک تعریف ہے کیونکہ ایسے لوگ قانون اور سزا پر زیادہ توجہ دیتے ہیں لہٰذا وہ اس کو جرم کہتے ہیں اس کے علاوہ ماہرین معاشیات نے سماجی نقطہ نظر سے انحراف کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ کسی بھی فرد یا اجتماع کا سلوک اور رفتار جو معاشرے کے نمونوں اور اصولوں کے مطابق نہ ہو وہ انحراف ہے اور اخلاقیات میں اس کو بدصورت اور مکروہ سلوک کہتے ہیں۔ اگر مذہبی نقطہ نظر سے اس کی تعریف کی جائے تو خدائی احکامات کی مخالفت کو انحراف کہتے ہیں جس کو ہم گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

سماجیات میں انحراف کی اقسام

علم سماج کے ماہرین انحراف کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ا۔ مثبت انحراف ۲۔ منفی انحراف ؛ مثبت انحراف اس وقت وجود میں آتا ہے جب ایک شخص موجودہ چلنے والی اقدار کی حدود کے بارے میں پوری طرح جانکاری اور شعور کے ساتھ ابھرتا ہے اور نئی اقدار اور کریڈٹ تخلیق کرتا ہے جو پچھلے لوگوں سے بالاتر ہوں، اس کے برعکس منفی انحراف ، مثبت انحراف سے بالکل جدا ہے۔ منفی انحراف یعنی جب ایک فرد یا گروہ، معاشرے کی اقدار کو نظرانداز کرے اور ان کی خلاف ورزی کرے اور ایک ایسا نظام تشکیل دے جو اپنے آس پاس کے لوگوں کی نظر میں نظام حاکم سے کم تر ہو۔پس کچھ سلوک عام طور پر قانون کو توڑنے والے ہوتے ہیں اسی وجہ سے وہ معاشرتی یا قانونی طور پر منحرف سمجھے جاتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ یہ غیر قانونی رفتار عبادت کے مخالف ہی ہو۔ اور قرآن کے مطابق اسے انحراف ہی سمجھا جاتا ہو۔اس کے برعکس کچھ طرز عمل عبادت اور خدائی قوانین کے مخالف ہوتے ہیں اور قرآن ان کو گمراہی کے متبادل قرار دیتا ہے۔پس ذکر کردہ موازنہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کے نقطہ نظر سے انحراف ایک نسبت phenomen نہیں ہے کیونکہ پہچاننے اور حق سے جدا کرنے کا معیار ایک قطعی معاملہ ہے۔ لیکن دوسرے تناظر کے مطابق انحراف ریشہ دار رجحان ہے جو معاشرے، وقت، جگہ، ثقافت اور اقدار کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

انحراف حق

یعنی حق کے راستے سے جدا ہو جانا۔اس معنی کو کتاب ناظم الاطباء میں ذکر کیا گیا ہے۔اسی طرح انحراف دین سے مراد دین سے روگردانی اور منہ پھیرنا ہے۔(ناظم الاطباء) "المعانی کے لغت نامے میں، "حُرُفُ" کا معنی کنارہ اور نوک بتایا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ : (فلان علی حرف من امرہ) یعنی وہ معاملے کی ایسی سطح پر ہے کہ اگر اسے وہ پسند نہ آیا تو وہ بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا جیسا کہ کنارہ پر رہنے والا جلدی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں آیا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ (حج/) اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو (بالکل دین کے) کنارے پر (رہ کر) اللہ کی عبادت کرتا ہے (المعانی)۔" پس انحراف سے مراد کنارہ کشی کرنا، الگ ہو جانا ہے۔ (شیعہ در اسلام ص ۳، ۲/شریعت در آئینہ معرفت ۹۳/آموزش عقائد، ج ا ص ۲۸)

انحراف عبادی

انحراف عبادی کی اگر بہت آسان مثال دی جائے تو جیسے عبادت میں ریا، کسالت یعنی سستی، عدم قصد قربت یہ سب انحراف عبادی ہیں۔

انحراف جنسی

انحراف جنسی یعنی شادی سے انحراف۔ شادی جو ایک شرعی اور قانونی جنسی تعلقات کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر اس رسم سے انسان دور ہو جائے تو جنسی انحراف ہوتا ہے۔ قرآن میں جنسی انحراف کی بہترین مثال قوم لوط کی مثال ہے۔

انحراف شخصیت

یعنی جیسے رسول خدا کے بارے میں قرآن میں ارشاد کیا گیا(لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) (احزاب/۲۱) اور اسی سورت کی ابتدا میں ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آگے نہ بڑھا کرو۔ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ) (احزاب/۱) پس انحراف شخصیت سے مراد یہ ہے کہ جو مرتبہ خدا نے جس کا بنایا ہے اس کی پروانہ کی جائے اور اس کے بارے میں افراط اور تفریط کی جائے تو یہ انحراف شخصیت ہوگا۔

انحراف کے عوامل

اگر ہم انحراف کے عوامل کو علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے کہ انحراف کیوں وجود میں آتا ہے تو سمجھنے میں مددگار ہوگا۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ جتنے عوامل بھی ہم بیان کرنا چاہتے ہیں ان تمام کی بازگشت ایک اصلی عامل کی طرف ہو رہی ہے۔ جیسے اگر جہالت، خواہشات نفسانی، خودسری وغیرہ ان سب چیزوں کو عوامل کہا جائے تو یہ سب چیزیں خود ایک کلی کے اندر جز کا کردار ادا کرتی ہیں تو ان اجزاء کو بیان کرنے سے جہاں انحرافات کو سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں اس کل اور اصلی عامل کو بیان کرنے سے اس گفتگو کی تاثیر زیادہ ہوگی۔ اس لیے ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ:

۱۔ انسان کے اندر انحراف کے عوامل کون سے ہیں؟
۲۔ حق کے راستے سے جدا ہو جانے کے عوامل کون سے ہیں؟
۳۔ فکری اور اعتقادی انحراف کے عوامل کون سے ہیں؟ کیونکہ جتنے بھی انحراف کے عوامل ہیں وہ سب ایک ہی میں جمع ہیں۔

عوامل انحراف اور انسان

اگر انسان کے اندر سب سے بڑا اور اصلی ترین انحراف کے عامل کو تلاش کیا جائے تو وہ سو فیصد "جہالت" ہی ہے جو باعث بنتی ہے کہ خدائی اصولوں کو بھلا دیا جائے یا دینی اصول و قواعد کو نظرانداز کر دیا جائے اور یہ نظرانداز کرنا دو چیزوں کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ الف: انسان فطرت سے جدا ہو جاتا ہے۔ب: انسان اپنے رب کی تعلیمات سے دور ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید ان مسائل پر قابو پانے اور اس طرح کے انحراف کو روکنے کے لیے بصیرت اور عملی حل سے بھرپور ہے۔اس لیے خدا کی بندگی اور بندگی کی سب سے بنیادی بنیاد حق کی تابعداری اور عاجزی ہے اور اس کے برعکس کوئی تعصب، ضد اور اندھی تقلید حق اور خوشی سے محرومی ہے اور راہ خدا سے کنارہ کشی اور انحراف انسانی کا باعث ہے۔ان تعریفوں کے مطابق یہ سمجھنا آسان ہے کہ کون سی چیز انسان کو اس کے اصلی مقصد سے انحراف کی طرف لے جاتی ہے اور اس کے زوال کی اصل وجہ ہے۔البتہ اس کے علاوہ اور بھی عوامل ہیں جن کی بناء پر انسان انحراف کی طرف چلا جاتا ہے جیسے برے دوستوں کی صحبت ،جدید اوزار جیسے کمپیوٹر وغیرہ جن کا غلط استعمال کیا جاتا ہے اس کے علاوہ روایتی اوزار جیسے گمراہ کن کتابیں جن میں کچھ انسانی انحراف کے مقصد کے لیے فراہم کی گئیں ہیں۔ اس کے علاوہ کسی ایک دینی مرجعیت کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہونا جیسے رسول خدا نے سب کو ایک ہی پرچم کے نیچے جمع کیا اگر اس چیز کو اختیار کر لیا جائے جیسے حدیث ثقلین میں ارشاد ہے اگر انسان تا قیامت گمراہی سے بچنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ کتاب اور اہل بیت کو تھام لے۔اور یہ ہی ایک پرچم کے نیچے جمع ہونے کا مطلب ہے پس جب ہم عظیم انبیاء کی تاریخ پر واپس جائیں اور پچھلے قبائل کے انحراف اور گمراہی کی وجوہات کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان تینوں چیزوں (تعصب، ضد اور اندھی تقلید) نے ان کے انحراف میں بڑا کردار ادا کیا ہے قرآن مجید ان مسائل کے واضح حوالوں سے بھرا ہوا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد إِذْقَالَ

لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ (انبیاء/۵۳،۵۲) ترجمہ: جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ کیسی مورتیاں ہیں جن (کی پرستش) پر تم جمے بیٹھے ہو، وہ بولے: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پرستش کرتے پایا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے . قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿﴾ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ۔ ترجمہ: (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: کیا وہ تمہیں سنتے ہیں جب تم (ان کو) پکارتے ہو، یا وہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں، وہ بولے: (یہ تو معلوم نہیں) لیکن ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا تھا۔ (شعراء/۷۴.۷۳.۷۲)

راہ حق سے منحرف ہونے کے عوامل

آیت اللہ مصباح یزدی نے اس کے بارے میں بہت ہی دقیق انداز میں بیان کیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ انسان راہ حق سے منحرف ہو جاتا ہے؟ اس سوال کی اہمیت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب کسی کا سامنا ان لوگوں سے ہوتا ہے جو کئی سال سے راہ راست پر چل رہے تھے لیکن زندگی کے اختتام پر وہ راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس لیے پہلے دیکھنا چاہیے کہ اس طرح کے واقعات کس طرح رونما ہوتے ہیں اور اس واقعے کی اصل وجہ کیا ہے؟۔ آیت اللہ مصباح یزدی نے انحراف کے تین عوامل نہج البلاغہ سے اخذ کیے ہیں: ا۔ انہوں نے کہا ہے کہ راہ حق سے جدا ہونے کی سب سے بڑی علت "ہوای نفس" ہے۔ اگر لفظ ہوای نفس کا ترجمہ کیا جائے تو ہوای نفس سے مراد ہے ہر وہ چیز جو انسان کی مرضی کے مطابق ہو، جس پر انسان کا دل ہو بغیر صحیح اور غلط کا لحاظ رکھے اس کو انجام دینا۔ ۲۔ دوسری علت جو آیت اللہ مصباح یزدی نے بیان کی ہے وہ دنیا کا فریب کار ہونا؛ دنیا کی سب سے بڑی خصلت یہ ہے کہ دنیا مغرور ہے، دنیا انسان کو دھوکہ دیتی ہے، اگرچہ انسان راہ حق سے واقف ہو تب بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی یہ رونق انسان کو اس کے علم کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ۳۔ تیسرا عامل جو راہ حق سے منحرف ہونے کا موجب ہے وہ شیطان ہے۔ قرآن کریم کی آیات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ قرآن نے بار بار شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ کیا یہ عوامل ایک دوسرے سے الگ ہیں یا ایک دوسرے سے وابستہ ہیں؟ اگر اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے تو ہر عامل کا انفرادی طور پر

جائزہ لینے کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہ سارے عامل ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور کامل اسباب کا سبب بنتے ہیں۔ ہوای نفس کا تعلق دنیا کی زینتوں میں سے ہے اور شیطان کا کردار تو قرآن کی نگاہ میں مکمل دشمنوں والا ہے۔ یعنی اگر پہلے دو عامل یعنی خواہشات نفسانی (ہوای نفس) اور فریب دنیا ایک ساتھ ہو جائیں تو شیطان کا کردار اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر انسانی انحراف پر ان دو عوامل کا اثر ۱۰ فیصد ہے تو شیطان اسے بڑھا کر ۲۰ فیصد، ۵۰ فیصد اور کبھی کبھی بڑھا کر ۱۰۰ فیصد تک لے جاتا ہے۔

شیطان کس طرح ان دونوں عوامل کو تقویت بخشتا ہے اور اپنے جھوٹے وعدوں کے ذریعہ اس کو تقویت دیتا ہے اور یہ شیطان کے جھوٹے وعدے ہیں کہ انسان حق کی راہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنا اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا چھوڑ دے بلکہ اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کی پیروی کرنے جا رہا ہے۔

فکری اور اعتقادی انحراف کے عوامل

انسان کو خدا کی راہ تک پہنچنے اور پیشرفت کی راہ میں حائل رکاوٹوں سے محفوظ رہنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں خدا سے دعا مانگنی چاہیے اور خدا کی پناہ حاصل کرنی چاہیے۔ امام سجاد علیہ السلام نے ماہ مبارک رمضان کی آمد کی دعا میں خدا سے توحید سے منحرف نہ ہونے کے متعلق دعائیں کی ہیں اس کے علاوہ امام سجاد علیہ السلام کی بہت ساری مناجات ہیں جس میں آپ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ خدا ہمیں توحید سے منحرف نہ ہونے کے لیے مدد فرما۔ کیونکہ توحید تمام عقائد کی بنیاد ہے۔ اور ساتھ ساتھ دین میں شک اور عملی طور پر شیطان کے فریب سے بھی محفوظ رہنے کی دعا کرنی چاہئے۔ اصل میں فکری اور اعتقادی انحراف کی ایک وجہ اندھی تقلید ہے۔ جیسا کہ قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرماتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد (چچا) آزر سے پوچھا اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ آخر ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جو تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیتے تو انہوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے آباؤ اور اجداد کو یہی کرتے دیکھا ہے اس لیے ہم ان کی پیروی کرنا نہیں چھوڑ سکتے اور تم تو یہ پیغام ابھی لے کر آئے ہو اور اس سے پہلے ہم نے ایسا پیغام نہیں سنا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اندھی تقلید ہی ہے جو اس کو اعتقادی اور فکری طور پر راہ حق سے منحرف کر دیتی ہے۔ دوسری وجہ غلط تبلیغ اور برے لوگوں کی صحبت ہے جس کو آیت اللہ مصباح یزدی نے بھی بیان کیا

تھا۔جب حضرت موسی علیہ السلام کوہ طور پر عبادت کرنے کے لیے گئے تو اس وقت بھی لوگوں نے اپنے عقائد کو چھوڑ دیا جبکہ وہ لوگ حضرت موسی علیہ السلام کی تقلید میں تھے اور خدا کی سچے دل سے پرستش کیا کرتے تھے، جادوگر سامری اور اس کے بنائے ہوئے بچھڑے کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنا عقیدہ خراب کر لیا۔سامری نے اپنا وار سب سے پہلے لوگوں کے عقیدہ پر کیا۔اور یہی وجہ ہے کہ اس غلط تبلیغ نے بنی اسرائیل کو خدا کی راہ سے منحرف کر دیا۔اصل میں فکر اور عقائد اور بھی ہیں لیکن چونکہ ہر فکر اور ہر عقیدہ کی بنیاد عقیدہ توحید ہے اس بناء پر ہر اعتقادی بحث کی بازگشت توحید کی جانب ہوتی ہے۔(خبر گزاری تسنیم.برنامہ زمزمہ معرفت)

انحراف کے عوامل دانشوروں کی نگاہ میں

جس طرح دانشوروں نے انحراف کی نوعیت کو مختلف نقطہ نظر سے بیان کیا ہے اسی طرح انحراف اور انحراف کو متاثر کرنے والے اسباب اور عوامل کو بھی مختلف نقطہ نظر سے بیان کیا گیا ہے۔اسی سلسلے میں جو روشن خیالی پر مبنی وضاحتیں کی گئی ہیں وہ پورے معاشرے سے متعلق ہیں اور حقیقت میں انہوں نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے کہ معاشرے میں انحراف کیوں وجود میں آتا ہے؟ کون سے عوامل ہیں جو ایک معاشرے میں انحراف کو پھیلانے میں مدد دیتے ہیں؟ اور بہت سارے سوالات فرد اور گروہ کے متعلق ہیں کہ آخر فرد اور گروہ کیوں انحراف کا شکار ہو جاتے ہیں؟پس دانشوروں کے نظریات کے مطابق انحراف کے عوامل کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ خود انسان کے اندر ایسی خصلتیں ہیں جن کی بناپر انحراف وجود میں آتا ہے یعنی انحراف کے عوامل خود انسان کے اندر موجود ہیں۔۲:۔بعض دانشمندوں کے مطابق انسان کے باہر یعنی خارج میں ایسی چیزیں اور واقعات پیدا ہوتے ہیں جن کی بناپر انحراف وجود میں آتا ہے۔۳:۔اور تیسرا انحراف کا عامل داخلی اور خارجی دونوں عناصر ہیں۔لہٰذا ہم قرآن کے نظریہ کو بیان کرنے سے پہلے کچھ ان نظریات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔(کتاب پژوهشهای قرآن صفحہ نمبر ۱۳۸۳) پس وہ نظریات جو خود انسانوں میں انحراف کی وجوہات پر غور کرتے ہیں کچھ مذکورہ عوامل کی بنیاد پر انسانی روح اور انسانی جسم کو انحراف کا باعث سمجھتے ہیں ماہرین حیاتیات نے باب جرم میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ " جسم اور حیاتیات کا متغیر ہونا ظہور انحراف میں

موثر ہے"۔(کیانیان۔ جرم شناسی صفحہ ٦٣) ان خیالات کے مطابق جسمانی نقائص، اعضاء کے جسمانی نقائص، کھوپڑی کی ساخت، مخصوص جین، جنس، عمر، خون کی قسم، مزاج، کمزوری، طاقت، طبّی تاریخ اور یہاں تک کہ نسل ان سب کو انحراف کا سبب جانا جاتا ہے۔(کیانیان۔ جرم شناسی صفحہ ٦٣) پس اگر ان نظریات کو درست مان لیا جائے تو جسمانی ساخت اور منحرف طرز عمل کے مابین جبری تعلق ہو گا۔ لہٰذا جب بھی کسی فرد یا گروہ کے رویہ میں کسی بھی انحراف کو دیکھا جائے تو اس شخص یا گروہ کا ایک ہونا ضروری ہے۔ یا پھر متعدد یا مخصوص جسمانی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ یا اس کے برعکس اگر کسی میں ان میں سے ایک یا ایک سے زیادہ خصوصیات ہیں تو وہ یقینی طور پر منحرف عمل کریں گے۔ اس کے علاوہ جو دوسری قسم کا نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ اصل انحراف انسان کی روح کے اندر ہے اور روح کے انحراف کو زیادہ تر آزاد ارادے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ ایک فرد یا گروہ میں انحراف کی اصل وجہ آزاد ارادہ ہے کوئی بھی عامل انسان کو انحراف کی طرف مائل نہیں کر سکتا سوائے اس عامل کے۔ (سید موسی صدر، ویژہ نامہ قرآن وآسیب ہای اجتماعی ص۳۸، ۳۷)

۲۔ دوسرا عامل جس کو ہم انسانی وجود سے باہر انحراف کا سبب سمجھتے ہیں اس عامل کو اصطلاح میں "ماحول" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ عامل انسانی وجود سے باہر ہے۔ معاشرے میں قانون کی حکمرانی افراد کے طرز عمل پر تاثیر رکھتی ہے مثال کے طور پر معاشی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے انسان کی خود مختاری متاثر ہوتی ہے۔ اور اس صورت میں اخلاقیات بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے اور افراد اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ناجائز ذرائع کو استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح معاشرے میں گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ اس نظریے کو نظریہ "دورکیم" کہا جاتا ہے۔ اس نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ "اصل میں ماہر معاشیات انسان اور اس کی ضروریات اور خواہشات کے درمیان گہرے تعلق پر گفتگو کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ایک مستحکم معاشرتی ماحول میں انسان کی خواہشات اصول اور قواعد کی پابند ہوتی ہے جبکہ ان معیارات، قوانین اور اصولوں کے ٹوٹ جانے سے بے نظمی پیدا ہوتی ہے اور بے لگام خواہشات جنم لیتی ہیں۔ اور کیونکہ یہ خواہشات فطری طور پر مطمئن اور تسکین بخش نہیں ہوتی لہٰذا معاشرے میں مستقل طور پر عدم اطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔((سید موسی صدر، ویژہ نامہ قرآن وآسیب ہای اجتماعی ص۳۰، ۳۷)) جیسے

خود کشی، جرم اور طلاق وغیرہ یہ سب معاشرے میں عدم اطمینان کی کیفیت ہے۔اس کے علاوہ اگر دورکیم کے نظریے کا مطالعہ کیا جائے تو فقر کے مقابلے میں ثروتمندی بھی انحراف کاایک عامل ہے اور اس علت کی بناپر دنیا میں لاکھوں لوگ خود کشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

عوامل انحراف در جامعہ قرآن کی نگاہ میں

انحراف اور گمراہی کے حوالے سے قرآن میں مختلف طریقوں سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ جیساکہ پہلے ذکر کیاگیا ہے اس رجحان کاانسان کی فطرت اور سچائی سے گہرا تعلق ہے اور قرآن جوکہ جامع بشری کے لیے درست علوم مہیا کرتا ہے اس رجحان کی مختلف جہتوں کو تسلیم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔اس صورت میں قرآن کے نظریوں کاخلاصہ چند جملوں میں کیاجاسکتا ہے۔اور پچھلی بحث میں جو تین نظریات بیان کیے گئے ہیں یعنی انحراف کاپہلا عامل خود وجود انسان کے اندر ہے اور دوسرا عامل انحراف وجود انسان سے باہر یعنی خارج میں موجود ہے۔قرآن ان دونوں نظریوں کو قبول کرنے پر کافی ترمیموں کا قائل ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن عامل سوئم کے نظریات کو قبول کرتا ہے جو کہ نا تو خودانسان کے وجود اور ہی صرف خارج کے عامل ہونے کا قائل تھاچونکہ قرآن ایک مرکب نظریہ پیش کرتا ہے جوکہ موجودہ ہائبرڈ نظریات کے ماڈل سے مختلف ہے اور اس کے علاوہ قرآن خصوصی عناصر پر زور دیتا ہے لیکن بعض جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں پچھلے نظریات کی تصدیق کی گئی ہے۔مثلا قرآن نے کس طرح سے آزادانہ نظریہ کو قبول کیا ہے کیونکہ قرآن انحراف اور کج روی میں خواہش اور آزادانہ مرضی کے عنصر پر بہت زور دیتا ہے۔اور خود انسان کواس طرز عمل کاذمہ دار سمجھتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ترجمہ :-لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی بناپر فساد خشکی اور تری ہر جگہ غالب آگیا ہے۔(روم/۴۱) فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (۲) ترجمہ ب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے۔(کہف/۲۹) إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ترجمہ :-اس نے تمہارے اوپر بس مفدارَ خونَ سور کا گوشت اور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے اس کو حرام قرار دیا ہے پھر بھی اگر کوئی مضطر ہو جائے اور حرام کاطلب گار اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے والانہ ہو تواس کے لئے کوئی گناہ

نہیں ہے. بیشک خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (بقرہ/۱۷۳)
لہٰذا قرآن کے نقطہ نظر سے انحراف کی وجہ کسی حد تک انتخاب اور مرضی ہے لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا طرز عمل انتخاب کے دائرے سے باہر ہوتا ہے اور انحراف دوسرے عوامل سے متاثر ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک شخصیت کی نفسیاتی کمزوری ہے اور قرآن نے اس حقیقت کو ہوای نفس کی پیروی اور خواہشات کے تابع ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ترجمہ :-" لہٰذا خبردار خواہشات کا اتباع نہ کرنا تاکہ انصاف کرسکو" (نساء/۱۳۵)۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کو قبول کرنا چاہیے کہ صرف اور صرف ہوای نفس ہی انحراف کا باعث نہیں ہے بلکہ دوسرے نظریاتی عوامل بھی انحراف کے ظہور میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں غرائز اور مادی چیزوں کی جانب کشش کا عنصر صرف خواہشات نفسانی ہی نہیں ہیں بلکہ ایسے ماورائی رجحانات بھی ہیں جنہیں موڑ کر دنیاوی سمت لے جایا گیا ہے۔ جیسے عزت اور مقام کی طلب اپنے اندر رکھنا اس وقت جب انسان خود اپنی ذات اور شناخت کھو دیتا ہے اور دنیا طلبی کی خاطر اپنی ہر چیز فروخت کر دیتا ہے اور اپنی اسی خصلت کی بنا پر معاشرے میں منافق کا لبادا اوڑھ لیتا ہے۔ قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا () الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ترجمہ : " آپ ان منافقین کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں () جو لوگ مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست بناتے ہیں ... کیا یہ ان کے پاس عزّت تلاش کر رہے ہیں جب کہ ساری عزّت صرف اللہ کے لئے ہے "۔ (نساء/۱۳۹،۱۳۸) یا ایسے لوگ جو فوقیت اور تسلط کے متلاشی ہیں، جو سربلندی اور کمال پسندی کے دائرے سے نکل کر برتری اور بالادستی کی طرف راغب ہوتے ہیں إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا ترجمہ : فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہلِ زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ (قصص/۴) یا پھر حسد، اگرچہ یہ ایک نظر نہ آنے والی صفت ہے لیکن اس کا اثر معاشرے میں بہت ہی برے انداز سے پڑتا ہے جیسا کہ برادران یوسف کی کہانی۔ اگر حضرت یوسف کی زندگی میں پیش آنے والے حادثے کو غور سے مطالعہ کریں تو وہ حادثہ صرف اور صرف حسد کی بنا پر تھا۔ اسی بات کے متعلق قرآن مجید میں آیت موجود ہے۔ یا پھر جب جناب یوسف کو عزیز مصر کے دربار میں لایا گیا اور جناب یوسف نے اپنی نوجوانی کی سیڑھیاں تمام کی اور بھرپور جوان کی صورت میں مصر کی عورتوں یہاں تک کہ خود عزیز مصر کی بیوی

کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اس وقت ہر ایک عورت ہر ایک کنیز سب کی زبان پر صرف یوسف کا نام تھا۔اور جب حاکمیت اور پورے اختیار کی وجہ سے عزیز مصر کی بیوی نے اپنا مقام سب سے اونچا بنا لیا تو اسی حسد کی بنا پر مصر کی عورتوں نے عجیب باتیں شہر میں پھیلانی شروع کر دیں۔ جو اصل میں حسد کے باعث تھیں اور جن باتوں نے معاشرے میں انحرافی لہر قائم کر دی۔ اس بات کے حوالے سے قرآن واضح طور پر کہتا ہے۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ترجمہ:- اور پھر شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عزیز مصر کی عورت اپنے جوان کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور اسے اس کی محبت نے مدہوش بنا دیا تھا ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ عورت بالکل ہی کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔(یوسف/۳۰) پس اوپر بیان کی گئی ساری مثالوں میں قرآن نے انحراف کا سبب ارادہ انسان بتلایا ہے۔

قرآن نے اندرونی عوامل کے علاوہ بیرونی عوامل کو بھی قابل تائید قرار دیا ہے کیونکہ بالآخر بیرونی عوامل بھی معاشرے میں انحراف کا باعث بنتے ہیں۔ اور یہی عوامل ہیں جو دین میں بھی انحراف کا باعث ہیں۔ کیونکہ وہ سب چیزیں جن کا تعلق معاشرے کی گمراہی سے ہے ان کا تعلق دین کی گمراہی سے بھی ہے۔ جیسا کہ بیرونی عوامل جو انحراف اور گمراہی کا باعث ہیں جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور جس کی مثال آیت اللہ مصباح یزدی نے بھی دی ہے وہ ہے ہم نشینی اس بارے میں آیت خداوند موجود ہے۔ جس میں خدا نے ستمکاران اور کفر پیشہ لوگوں کے ساتھ دوستی کو منع کیا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ترجمہ:- اور اس نے کتاب میں یہ بات نازل کر دی ہے کہ جب آیا اُالٰہی کے بارے میں یہ سنو کہ ان کا انکار اور استہزائ ہو رہا ہے تو خبردار ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا جب تک وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہو جائیں ورنہ تم ان ہی کے مثل ہو جاؤ گے خدا کفار اور منافقین سب کو جہنّم میں ایک ساتھ اکٹھا کرنے والا ہے۔(نسا/۱۴۰) اس کے ساتھ ساتھ معاشرے میں فقر اور تنگدستی انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے اور معاشرہ اور دین دونوں انحراف کی زد میں آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ترجمہ:- اپنی اولاد کو غربت کی بنا پر قتل نہ کرنا۔(انعام/۱۵۱) اس کے ساتھ ساتھ غیبت، جسم فروشی

اور بے حجابی یہ سب انحراف کے عوامل میں سے ہے۔ جیسا کہ قرآن تہمت کے بارے میں اشارہ کرتا ہے۔ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ترجمہ :-اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور چار گواہ فراہم نہیں کرتے ہیں انہیں اسیّ کوڑے لگاؤ اور پھر کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرنا کہ یہ لوگ سراسر فاسق ہیں۔ (نور/۴) قرآن نے ذیلی ثقافت کے وجود اور اس کے طرز عمل پر ہونے والے اثرات کا بھی انحراف کی بحث میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ترجمہ :- اور ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے لوگوں کو ابھارا کہ انہیں اپنے قریہ سے نکال باہر کرو کہ یہ بہت پاک باز بنتے ہیں۔ (اعراف/۸۲) یہ آیت جناب لوط کے بارے میں ہے کیونکہ ہمیں تفسیر کی کتابوں میں ملتا ہے۔ حضرت لوط اس جگہ کے باشندے نہیں تھے۔ وہاں صرف تبلیغ کے لیے تشریف لائے تھے۔ اور بستی سے نکال دینے کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ لوگ پاکیزہ لوگ ہیں اور اس بستی میں نہ کوئی پاکیزہ رہے نہ کوئی پاک باز اور یہاں ہر طرف فحش کار اور بدکار لوگ ہی آباد رہیں۔ پس یہاں پر بھی ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ قرآن صرف اور صرف بیرونی عوامل کو وجہ انحراف تسلیم نہیں کرتا بلکہ اندرونی اور بیرونی دونوں عامل مل کر انحراف ایجاد کرتے ہیں۔ لہٰذا عوامل انحراف میں سب سے زیادہ اہم قرآنی عامل دین کی اصطلاح میں اس کو "ہوای نفس" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہوای نفس

جب خداوند کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا تو اس وقت فرشتوں نے انسان کی خلقت پر اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا جس کے بارے میں شروع سے ہم بیان کر رہے ہیں یعنی "انحراف اور کجروی" یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ فرشتوں نے خلقت انسان کے وقت خدا سے سوال کیا کہ آخر اس مخلوق کو خلق کرنے کا کیا مقصد ہے جس نے روئے زمین پر فساد پھیلانا ہے لیکن ان ساری باتوں میں ایک بات جو ہمیشہ فراموش کر دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ فرشتوں نے اس وقت صرف ایک پہلو کو دیکھا تھا نہ کہ وہ ساری حقیقتوں سے آشنا تھے۔ اسی لیے جب فرشتوں نے خدا کی بارگاہ میں سوال کیا قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ کیا اسے بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے اور خونریزی کرے جب کہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں تو ارشاد ہوا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔ (بقرہ/۳۰) پس گناہوں کا مرتکب یہ انسان کی ذات کا ایک ذاتی حصہ نہیں ہے بلکہ خاص عوامل ہیں جن کی وجہ سے انسان اس حد تک چلا جاتا ہے۔ جن میں سے ایک کو خدا "خواہش نفسانی " سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ترجمہ: - اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان ہی آیتوں کے سبب بلند کردیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کرلی۔ (اعراف/۱۷۶) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ. ترجمہ: - کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ (جاثیہ/۲۳) وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ترجمہ: - خدا چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور خواہشات کی پیروی کرنے والے چاہتے ہیں کہ تمہیں بالکل ہی راسِ حق سے دور کردیں۔ (نساء/۲۷)

منابع

۱. قرآن کریم
۲. صبحی صالح، نہج البلاغہ، تہران
۳. بیوک میرزائی، اسلام و فلسفہ (حیات تعقلی اسلام)، ۱۳٦۹، تہران
۴. عبدالکریم سروش، یادنامہ شہید مرتضی مطہری، ۱۳٦۰، تہران
۵. علی اکبر نفیسی ناظم الاطباء، فرہنگ نفیسی، ۱۳۵۵، تہران
٦. قاموس المعانی،
۷. کیانیان، جرم شناسی، تہران
۸. محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ۱۳۹۵

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ

نویسندہ: سیدہ ملیکہ فاطمہ نقوی[1]

نظر ثانی: ڈاکٹر جابر محمدی[2]

خلاصہ

یہ تحقیق مفسر قرآن مولانا سید ابو الاعلی مودودی کی قرآنی و علمی خدمات کا مختصر جائزہ ہے، جس میں مولانا مودودی کا مختصر تعارف ،ان کی کتابوں کا مختصر تعارف ، اسلوب و روش تفہیم القرآن، قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ اور تفہیم القرآن کا مختصر تعارف بیان کیا ہے، تعارف میں ،ابتدای تعلیم، علمی سر گرمیوں اداروں کا قیام، تحقیق، سفر، شاہ فیصل ایوارڈ کا تذ کرہ ہے، دوسرے عنوان کے ذیل میں ان کی کتب کا تذ کرہ ہے، جیسے جہاد فی الاسلام، پردہ، خلافت و ملوکیت، اسلامی ریاست اور اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی بیان کی ہیں تیسرے عنوان میں اسلوب تفہیم قرآن اور آخر میں تفسر کا تعارف بیان کیا ہے، مولانا ابو الاعلی مودودی کی بہت سی تصنیفات نے جذبہ حب الوطنی پیدا کرنے میں بہت زیادہ مدد دی۔ مسلم امہ کے لئے بہت زیادہ کام انجام دیا۔ ان کا سب سے اہم کام قرآن کی تفسیر ہے جس میں ماضی اور حال کی ضرورتوں کو سمجھ کر اور آج کی ضرورت کو بیان کیا اور غیر مسلموں کے قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے اور تاریخی حوالہ جات کو بیان کیا۔

کلیدی کلمات: قرآن، مودودی، تفسیر، حیات

---

۱ ۔ تفسیر اور علوم قرآن (ماسٹر ز) کی طالبہ، پاکستان

۲ ۔ کورس منیجر، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

تمہید

آں کتابِ زندہ، قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ او را ریب نی، تبدیل نی — آیہ اش شرمندۂ تاویل نی

(ترجمہ) وہ کتابِ زندہ جسے قرآن حکیم کہتے ہیں۔اس میں حکمت کی درج باتیں ہمیشہ رہنے والی اور پرانی ہیں۔ وہ (قرآن پاک) زندگی کے ہونے یا نہ ہونے کے بھیدوں کا نسخہ ہے۔ بے ثبّات بھی اس کی وجہ سے ثابت قدم ہو جاتا ہے۔اس کے حروف میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔اس کی آیاتِ بینات کی کوئی غلط تاویل نہیں ہو سکتی ہے۔ (علامہ اقبال، اسرار بیخودی)

قرآن وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے لی ہے یہ وہ زندہ کتاب ہے جس کی حکمت ودانش قدیم، دائمی اور لازوال ہے،اس کی آیات میں سینکڑوں نئی دنیاؤں کے وسائل موجود ہیں اور جب یہ قلب و جان پر اترتا ہے تو اس کو ہلا دیتا ہے، جب یہ انقلاب برپا کرتا ہے تو انسان کو کمال تک پہنچا دیتا ہے اور دنیا ہی بدل جاتی ہے اسی لئے قائد انقلاب نے فرمایا: اگر قرآن سے ہمارے لئے تقوی، دعا اور ذکر الہی کی کیفیت حاصل ہو جائے تو اس سے ہدایت حاصل کرنا آسان ہے، جیسا کی اللہ تعالی نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا ہے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ (محمد/۲۴)

ویسے تو تفسیر قرآن کریم کا آغاز حضرت رسول خدا ﷺ کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت سلمان فارسی نے قرآن کریم کی تفسیر کی تھی اس کے بعد ہر زمانے میں مفسرین قرآن اور علمائے کرام نے قرآن کو سمجھنے کے لئے اور جو غیر عرب لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کے فہم قرآن کو آسان بنانے کے لئے قرآن کی تفسیر کی اور یہ سلسلہ نسلا بعد نسل چلتا رہا حتی کہ عصر حاضر کے علماء نے بھی کئی تفسیریں لکھیں، ان ہی مفسرین میں سے ایک مولانا سید ابوالاعلی مودودی بھی ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر کی اور اسکے لیے ایک نیا اسلوب اختیار کرکے لوگوں کے لئے قرآن کو سمجھنا آسان بنایا اس تحقیق میں ہم مندرجہ ذیل موضوعات کا جائزہ لیں گے؛ مولانا سید ابوالاعلی مودودی کا مختصر تعارف، ان کی کتب کا مختصر جائزہ، تفہیم

قرآن کے لیے ان کی خدمات کا مختصر جائزہ، جداگانہ اسلوب تفہیم القرآن، تفسیر تفہیم القرآن کا تعارف۔

ا۔ مولانا ابوالاعلی مودودی کا تعارف

سید ابو الا علی مودودی(۱۹۰۳ـ۱۹۷۹) مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے اور وہ بیسویں صدی کے موثر ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھے، ان کی فکر سوچ اور ان کی تصانیف نے پوری دنیا کی اسلامی تحریکوں کے ارتقامیں گہرا اثر ڈالا اور بیسویں صدی کے مجدد اسلام ثابت ہوئے۔ اسلام کی دنیا بھر میں موجودہ پزیرائی میں سید ابوالاعلی مودودی اور شیخ حسن البناء (اخوان المسلمین کے بانی) کا واضح کردار ہے جنھوں نے عثمانی خلافت کے اختتام کے بعد نہ صرف اسلام کو زندہ رکھا بلکہ اسے خانقاہوں سے نکال کر عوامی پذیرائی بخشی۔

۱)ابتدائی زندگی

سید ابو الاعلی مودودی ۱۹۰۳ بمطابق ۱۳۲۱ ھ ق میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے آپ کے آباؤ اجداد میں سے ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودودی چشتی گزرے تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے یہ ابتداء میں ہرات کے مقام کے قریب چشت کے معروف مقام پر آکر آباد ہوئے تھے سید مودودی کا خاندان انہی خواجہ مودود چشتی کے نام سے منصوب ہو کر ہی مودودی کہلاتا ہے آپ کا گھرانہ ایک مکمل مذہبی گھرانہ تھا۔

۲)ابتدائی تعلیم

مولانا ابو الاعلی مودودی نے ابتدائی دور کے پورے گیارہ برس اپنے والد کی نگرانی میں گزارے اور گھر پر تعلیم حاصل کی اور آپ کی والدہ بھی ایک دیندار خاتون تھی آپ کے والد نے گھر پر زبان پر خاص توجہ دی ہمیشہ صاف زبان استعمال کی کوئی غیر مناسب الفاظ نہ بولے جاتے آپ کے والد آپ کو رات کو انبیاء علیہم السلام کے قصے اور تاریخ اسلام کے اہم سبق آموز واقعات سنایا کرتے تھے آپ نے گھر سے ہی چند زبانیں سیکھیں اردو، فارسی اور عربی کے ساتھ ساتھ فقہ اور حدیث کا علم بھی حاصل کیا۔

۳) تعلیم کا باقاعدہ آغاز

۱۹۱۴ میں مولانا ابوالاعلی مودودی نے مولوی کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے اس وقت ان کے والدین اورنگ آباد سے حیدر آباد منتقل ہو گئے تھے اور ان کو مولوی عالم کی جماعت میں داخل کرایا گیا اس کے بعد آپ کے والد نے آپ کو دارالعلوم میں داخل کروایا اس زمانے میں دارالعلوم کے صدر مولانا حمید الدین فراہی تھے جو مولانا امین احسن اصلاحی کے بھی استاد تھے یہاں پر آپ چھ ماہ ہی رہے تھے کیونکہ آپ کے والد کو فالج ہو گیا تھا اور آپ کو واپس جانا پڑ گیا ان کی خدمت کی ان کے انتقال کے بعد آپ کے معاشی حالات بہت خراب ہو گئے تھے کیونکہ والدین دیندار انسان تھے اور کوئی جائیداد نہیں تھی۔

۴) علمی سرگرمیوں

بطور صحافی

سید مودودی لکھنے کی خداداد قابلیت کے حامل تھے انہوں نے قلم کے ذریعے اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچانے کا آغاز کیا اور متعدد اخبارات میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا جن میں سے اخبار " مدینہ " بجنور (اتر پردیش) " تاج " جبل پور اور اور جمعیت علمائے ہند روزنامہ الجمعیت دہلی خصوصی طور پر شامل تھے۔

۲: سعودی یونیورسٹی کے نصاب کا خاکہ

۱۹۴۱ میں سعودی عرب کے فرمانروا کی درخواست پر مولانا مودودی نے مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی اسلامی یونیورسٹی کے نصاب کا مفصل خاکہ ان کو پیش کیا۔[۶]

۳؛ ریڈیو پر خدمات

ریڈیو پر آپ کی پانچ تقریریں نشر ہوئیں جن میں اسلام کی روحانی ،اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی تعلیمات کی خصوصیات بیان کی۔

۴)؛ مختلف تحریکوں میں حصہ

رابطہ عالم اسلامی کے رکن رہے اور تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کا بھی حصہ رہے۔

۵) اداروں کا قیام

۱. رسالہ ترجمان القرآن

ترجمان القرآن اکیسویں صدی میں مستقبل کی تعمیر کے لیے رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہےاور آج کے سلگتے مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کر رہا ہے اس تاریخ ساز اور عہد ساز رسالے کے ذریعے سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے ۳۰ کے عشرے میں اس تحریک کا آغاز کیا جو آج احیائے اسلام کی عالمی تحریک اور بیداری کی لہر ہے۔خرم مرادؒ نے ۹۰ کے عشرے میں اسے نئی زندگی دی، باطنی وظاہری محاسن سے آراستہ کیا۔ اب پروفیسر خورشید احمد کی ادارت میں اکیسویں صدی میں مستقبل کی تعمیر کے لیے رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہےاور آج کے سلگتے مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کر رہا ہے یہ رسالہ پچاس سال سے زیادہ اشاعت اسلام کی خدمات انجام دے رہا ہے۔

(https://www.tarjumanulquran.org/about-us)

۲. ماعت اسلامی کا قیام

مولانا ابو الااعلی مودودی نے ترجمۃالقرآن کے ذریعے ایک پابند اسلام جماعت کے قیام کی تجویز پیش کی اور اس سلسلے میں ترجمان القرآن میں مضامین بھی شائع کیے جو لوگ اس تجویز سے اتفاق رکھتے تھے ۲۶ اگست ۱۹۴۱ کو جمع ہوئے جماعت اسلامی قائم کی گئی جس میں پورے ہندوستان میں سے صرف ۷۵ آدمی شامل ہوئے تھے اور اس اجتماع میں مودودی کو جماعت کا سربراہ منتخب کیا گیا۔

۳. دارالاسلام کا قیام

یہاں مولانا نے خطباب جمعہ کا سلسلہ شروع کیا۔ان کی نہایت اثر آفریں تصنیف خطبات الہی ان ہی تقریروں کا مجموعہ ہے۔

۷. تحقیقی سفر

۱۹۵٦ سے ۱۹۷۴تک کے عرصے میں آپ نے دنیاکے مختلف حصوں کا سفر کیا اپنے متعدد دوروں کے دوران انہوں نے قاہرہ، دمشق، عمان، مکہ، مدینہ، جدہ، کویت، رباط، استنبول، لندن، نیویورک، ٹورنٹوکے علاوہ بین الاقوامی مراکز میں لیکچر دیے۔انہی سالوں میں آپ نے ۱۰ عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ قرآن مجید میں مذکورہ مقامات کی جغرافیائی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کے لیے سعودی عرب، اردن، بشمول یروشلم، شام اور مصر کا بھی تفصیلی مطالعاتی دورہ کیا۔

۸) شاہ فیصل ایوارڈ

شاہ فیصل فاؤنڈیشن کا سب سے پہلا ایوارڈ مولانا کوملا۔یہ تقریب سعودی دارالحکومت ریاض میں منعقد ہوئی۔

۹) انتقال

سید ابوالاعلی مودودی کے گردے اور دل میں تکلیف ہوئی جس کے لیے آپ ریاست ہائے متحدہ امریکہ گئے جہاں ان کے صاحبزادے بطور معالج برسرروزگار تھے آپ کے چند آپریشن بھی ہوئے مگر ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ کو آپ کا انتقال ہو گیا آپ کا پہلا جنازہ بفیلو ریاست نیویارک میں پڑھا گیا پھر آپ کا جسد خاکی پاکستان لایا گیا اور لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں آپ کا جنازہ قطر یونیورسٹی کے وائس چانسلر سابق صدر اخوان المسلمین شام علامہ یوسف القرضاوی نے پڑھایا۔

۲. مولانا ابوالاعلی مودودی کی کتب کا مختصر جائزہ

تصانیف

یوں تو مولانا ابوالااعلی مودودی نے متعدد کتب تحریر کی ہیں لیکن ہم ان میں سے بعض اہم کتابوں کا تذکرہ کریں گے۔ تفہیمات ۵ جلدیں، تفسیر تفہیم القرآن ،اسلامی سیاست، مسئلہ ملکیت زمین، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ، رسائل و مسائل ۵ جلدیں، حقوق زوجین ،اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، خلافت و ملوکیت ، پردہ ، نماز، اسلام کا نظام حیات، سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دینیات، خطابات، دین حق، شہادت حق، بناؤ اور لگاڑ ،اسلام اور جاہلیت ،اسلام کا نظام حیات ،اسلامی سیاست، جہاد فی الاسلام ،معاشیات اسلام اور سود ،اسلام اور ضبط ولایت وغیرہ۔ تقریبا ۷۰ کے قریب آپ نے کتب لکھیں باقی آپ کی تقریریں ہیں جو کتابی شکل میں ہیں۔ان میں سے چند کتابوں کا تعارف ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

االجہاد فی اسلام (پہلی تصنیف)

ایک شخص سوامی شردھانند نے شدھی کی تحریک شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندو بنالیا جائے چونکہ اس تحریک کی بنیاد نفرت دشمنی اور تعصب پر تھی اور اس نے اپنی کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی جس پر کسی مسلمان نے غیرت ایمانی میں آکر اس کو قتل کردیا اور پورے ہندوستان میں شور برپا ہو گیا ہندو دین اسلام پر حملہ کرنے لگے اور علانیہ یہ کہا جانے لگا کہ اسلام تلوار اور تشدد کا مذہب ہے انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر نے جامع مسجد دہلی میں تقریر کی جس میں بڑی دردمندی کے ساتھ اس کی ضرورت کا اظہار کیا کہ کاش کوئی شخص اسلام کے مسئلہ جہاد کی پوری وضاحت کرے اسلام کے خلاف جو غلط فہمیاں آج پھیلائی جارہی ہیں ہیں وہ ختم ہو جائیں اس پر آپ نے یہ کتاب لکھی اور اس وقت آپ کی عمر ۲۴ برس تھی۔اس کتاب کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا: اسلام کے نظریہ جہاد اور اس کے قانون صلح وجنگ پر یہ ایک بہترین تصنیف ہے اور میں ہر ذی علم آدمی کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

۲۔پردہ

۱۹۳۵ میں یہ کتاب لکھی گئی تھی اسکا مقصد یورپ سے مرعوب ہو کر اسلامی پردے پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دینا تھا۔ ویسے تو انہوں نے چار سال پہلے بھی پردے کے مسئلے پر سلسلہ وار مضامین لکھے تھے جو ترجمان القرآن کے کئی نمبروں میں شائع ہوئے تھے۔جس کو اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ نے شائع کیا۔ یہ کتاب ۲۷۱ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مندرجہ ذیل مضامین پر گفتگو کی گئی نوعیت مسئلہ، عورت مختلف ادوار میں، دور جدید کا مسلمان، نظریات نتائج، فیصلہ کن سوال، قوانین فطرت، انسانی کوتاہی، اسلامی نظام معاشرت، پردے کے احکام اور باہر نکلنے کے قوانین۔اس کتاب کو شادیوں کے موقع پر بطور تحفہ دیا جاتا ہے۔

۳. خلافت وملوکیت

اس کتاب کا دیباچہ ۹ اباب اور ایک ضمیمہ موجود ہے اور اس کو ادارہ ترجمان القرآن نے نشر کیا ہے اور ۳۵۶ صفحات سیاست حیات انسانی کا ایک اہم شعبہ ہونے کی حیثیت سے ہر دور میں انسانوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے سیاست بھی دین کا حصہ ہے اس کتاب میں مولانا نے خلافت کا حقیقی تصور پیش کیا اسلام میں خلافت کن اصولوں پر قائم ہوئی خلافت کب ملوکیت میں تبدیل ہوئی۔ان سب امور کی وضاحت کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کی ان تمام آیات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کیا جن میں سیاست کے بنیادی مسائل پر روشنی پڑتی ہے پھر قرآن وسنت اور اکابر صحابہ کے اقوال کے ذریعے وضاحت کی کہ اسلام کے اصول حکمرانی کیا ہیں؟ اس کے بعد خلافت راشدہ کی امتیازی خصوصیات بیان کیں جو تاریخ سے ثابت ہے اس کے بعد خلافت سے ملوکیت کی طرف انتقال کے اسباب بیان کیے۔یہ تبدیلی کس تدریج سے ہوئی ؟اور ان کے درمیان فرق بیان کیا۔خلافت کی جگہ ملوکیت آجانے سے مسلمان زوال کا شکار ہوئے مسلمانوں میں تفرقوں کی ابتدا ہوئی۔اس کے بعد نظام ریاست کن تبدیلیاں کا شکار ہوا مسلمانوں کی زندگی میں جو مشکلات آئیں انہیں بھرنے کے لیے علمائے امت نے کیا کوششیں کیں۔اس سلسلے میں نمونے کے طور پر ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے کام کو پیش کیا۔

۴ اسلامی ریاست

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد فوری کیا جانے والا کام تو یہ تھا کہ اس قیام کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق ملک کا دستور بنایا جاتا عدل وانصاف کا نظام بنایا جاتا لیکن بانی پاکستان کی وفات کے بعد یہاں کے حکمران طبقے کے لئے ملک کو ذاتی جاگیر میں بدلنے کی کوشش نے اس مقصد کو ناکام بنا دیا۔ان حالات میں سید مودودی نے ملک کے آئین کے تقاضوں کے عین مطابق اسلامی مہم کا آغاز کیا۔

مولانا ابو الاعلی مودودی نے پچھلے بیں پچیس سال کے دوران اسلامی سیاسی نظام پر بہت کچھ کہا اور لکھا۔اس موضوع پر بہت سے اصولی نظریے بھی پیش کیے مگر ان سب کو ایک کتاب کی صورت میں یکجا کرنے کا موقع نہیں ملا۔چند سال پہلے جناب خورشید احمد نے مولانا کے متعدد مضامین کو" اسلامی ریاست" کے عنوان سے مرتب کیا۔یہ کتاب ۴۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو مرتب کرنے والے پروفیسر خورشید احمد اور پبلشر اسلامک پبلی کیشنز ہیں۔اس کے ۱۶ابواب ہیں اس کتاب میں جن مضامین پر گفتگو کی گئی ہے ان میں ریاست اور اسلام، دور جدید اور اسلامی ریاست، دین و سیاست، تصور اسلام کا سیاسی نظریہ، قرآن کا فلسفہ سیاست، معنی خلافت، اسلامی تصور قومیت، اسلام کے دستوری قانون کے ماخذ، اسلامی ریاست کی بنیادیں، اسلامی دستور کی بنیادیں، اسلامی ریاست کا مثالی دور، اسلام میں قانون سازی اور اجتہاد، چند دستوری اور سیاسی مسائل، انسان کے بنیادی حقوق، غیر مسلموں کے حقوق، اسلامی ریاست کے رہنما اصول اور اسلامی انقلاب کی راہ شامل ہیں۔

۵. نماز

یہ کتاب ۳۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اس کی تالیف وترتیب میاں خورشید انور بدالرجی خان نے کی اور اسکے پبلشر البدر پبلیکیشنز ہیں۔اس میں ۲۵ ابواب موجود ہیں ان میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بات ہوئی ہے مساجد کے آداب واہمیت، نماز کا مقام اور اہمیت، نماز کے فضائل، نماز اور لباس، اوقات نماز، اذان نماز، ستر کے مسائل، نماز کا طریقہ، نماز میں قرائت، رکوع و سجود، تشہد کا بیان، سلام و درود، نماز میں جائز اور ناجائز امور، نماز میں سہو، نماز میں سجدہ تلاوت، نماز باجماعت، وتر کی نماز اور قنوت، نماز تہجد قیام نماز اور تراویح، نماز جمعہ کے بارے میں بیان ہوا ہے اور یہ مولانا کی تقریروں کا مجموعہ ہے یہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں ہوئی تھیں۔

۶۔اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

اس کو پبلش کرنے والے اسلامی پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ ہیں یہ کتاب ۲۶۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بات کی گئی ہے ۔ دنیاوی زندگی کا اسلامی تصور، زندگی کا نصب العین، اساسی افکار و عقائد، ایمان کی حقیقت واہمیت اور ضمیمہ، اس کتاب میں مقدمہ اور ۳ ابواب ہیں جس میں اسلام کی تہذیب کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔کچھ مغربی مصنف اور ان کے اثر سے مشرقی اہل علم کا بھی ایک بڑا گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ اسلام کی تہذیب اپنے ماقبل کی تہذیبوں اور خاص کر یونانی اور رومی تہذیب سے ماخوذ ہے مولانا ابوالاعلی مودودی نے اسی کی وضاحت کے لیے یہ کتاب تشکیل دی ہے تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تکوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے ایک دنیوی زندگی کا تصور دوسرا زندگی کا نصب العین تیسرا اساسی عقائد وافکار چار تربیت افراد پانچوں نظام اجتماعی، دنیا کی ہر تہذیب ان پانچ عناصر سے بنی ہے اسی طرح اسلامی تہذیب کی تکوین بھی انہی سے بنی ہے اس کتاب میں اسلامی تہذیب کے پہلے تین عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۷مسئلہ جبر و قدر

مولانا ابوالاعلی مودودی صاحب نے قدیم وجدید فلسفہ کا مکمل تجزیہ کرکے خالص اسلامی نقطہ نظر پیش کیا ہے اس کتاب کے ۲۰ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۲۱ واں ایڈیشن اب شائع ہوا ہے پہلے ایڈیشنز میں مولانا مودودی کی ایک تقریر شامل ہونے سے رہ گئی تھی جو کہ اس ایڈیشن میں شامل کی گئی ہے اس کتاب کی تقریب یہ ہے کہ ترجمان القرآن نیا نیا جاری ہوا تھا ایک صاحب نے مولانا کو خط لکھا جس میں مسئلہ جبر و قدر کے حوالے سے پیچیدگی کو حل کرنے کی درخواست کی جو قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو اس سلسلے میں پیش آتی ہے۔ یہی سوال اور جواب اس وقت کتابی شکل میں موجود ہے یہ کتاب چھیاسی صفحات پر مشتمل ہے اس کو اسلامی پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ نے نشر کیا ہے اس کتاب کے مضمون میں مقدمہ، مسئلہ جبر و قدر کی حقیقت، مابعد الطبیعی نقطہ نظر، طبیعی نقطہ نظر، اخلاقی نقطہ نظر، دینیاتی نقطہ نظر، تحقیق مسئلہ، حقیقت کی پردہ کشائی، اور جبر و قدر کے موضوعات شامل ہیں یہ رسالہ اس وقت اس خط کے جواب میں لکھا گیا تھا اور اس کا مقصد بھی اس تعارض کو رفع کرنا تھا جو قرآن مجید کی بعض آیات کے درمیان بظاہر نظر آتا ہے۔

۳. تفہیم قرآن کے لیے ان کی خدمات کا مختصر جائزہ

مولانا سید مودودی نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ اپنی تقریر و تحریر سے خواہ کتنا ہی دین اسلام کی ترجمانی کریں لوگ اس وقت تک اسے صحیح تصور نہ کریں گے جب تک قرآن کے ذریعے ان کو نہ سمجھایا جائے اس کی خاطر آپ نے اس کام کا آغاز ۱۹۳۸ میں کر دیا اس کام کا آغاز دروس قرآن سے ہوا بعد میں یہ سلسلہ تفسیر قرآن کی شکل اختیار کر گیا۔اس کام کا آغاز ۱۹۴۱ میں تشکیل جماعت کے چھ ماہ بعد ہوا۔ مولانا نے تعلیم القرآن کے نام سے ترجمان القرآن میں قرآن پاک کی تفسیر کا سلسلہ شروع کیا۔ تفسیر قرآن کے سلسلے میں مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا قرآن پاک میں جن تاریخی مقامات کا تذکرہ آیا ہے ان کو خود جا کے دیکھا اور جائزہ لیا، بعد میں اپنے اس سفر نامہ کو سفر نامہ ارض القرآن کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع کیا۔ جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد سیاست کی ہنگامہ خیزیوں اور قید و بند کے باوجود مولانا لکھتے رہے اور ۲۳ سال کے طویل عرصے میں یہ کام مکمل کیا مولانا نے قرآن کی جملہ قدیم وجدید تفسیر کا گہرائی سے مطالعہ کیا پھر یہ تفسیر منظر عام پر آئی اسلام اور دوسرے ادیان کا تقابلی جائزہ لیا گیا اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا جو مسیحی اہل قلم اور مغربی مستشرقین نے قرآن پر کیے تھے اس تفسیر کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ ترجمہ القرآن "رسالہ" میں قسط وار شائع ہوئی یہ تمام مسالک اور مکاتب فکر کی نظر سے گزرتی رہی اس سے بڑھ کر غیر مسلم بھی ایمان لے آئے۔ امارت سے علیحدگی کے بعد انہوں نے تمام تر توجہ تصنیف اور تالیف کے کام خصوصا تفہیم القرآن کی طباعت اور توسیع اشاعت پر مرکوز کر دی۔ چودھویں صدی ہجری میں اس عظیم کتاب کی تالیف نے اس صدی کو یادگار بنا دیا۔ تفسیر کی تالیف کے دوران مولانا نے اکتوبر ۱۹۵۹ سے فروری ۱۹۶۲ کے دوران ، ان مقامات کا سفر کیا جو سیرت رسول سے متعلق ہیں اقوام سابقہ کے کھنڈرات گزشتہ انبیاء کے مقامات اور غزوات کے میدان کا جغرافیائی مشاہدہ کیا۔

" مولانا کو چند وجوہات کی بنا پر گرفتار کر کے قید کیا مگر قید کے باوجود مولانا نے اس کام کو جاری رکھا" پہلی مرتبہ سینٹرل جیل ملتان میں ۲۵ دن کے دوران مولانا نے پہلی جلد کا مقدمہ لکھنے کے علاوہ سورہ یوسف کی تفسیر پر نظر ثانی کی۔ دوسری دفعہ ملتان جیل میں مولانا نے کتابیں فراہم ہونے پر سورہ حج سے سورہ فرقان تک تفسیر لکھی۔ تیسری بار کی قید کے دوران لاہور میں سورہ مومن سے احقاف کی تفسیر مکمل کی اور چوتھی مرتبہ مولانا نے تیسری جلد پر نظر ثانی کا کام مکمل کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا نے کس طرح پوری زندگی

قرآن میں تحقیق کے لیے صرف کی۔ مولانا نے قرآن میں نظم قرآن کا ایک منفرد تصور پیش کیا ہر سورہ کے تاریخی پس منظر اور مرکزی مضمون و موضوعات کا تعین کیا ہے۔

۴. جداگانہ اسلوب تفہیم القرآن

مولانا ابو الا علی مودودی نے قرآن کی تفسیر میں ایک خاص روش اپنائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں اپنائی ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ پابندی کے نقطہ نظر کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو غلط سمجھتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں تک ترجمہ قرآن کا تعلق ہے یہ خدمت بہت سارے بزرگ لوگوں نے انجام دی ہے جیسے حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ اردو میں شاہ عبدالقادر صاحب نے کیا اور بھی بہت سارے علماء نے تراجم کو بخوبی انجام دیا ہے لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمے سے پوری نہیں ہوئیں اسی وجہ سے انھوں نے ترجمانی کے ذریعے سے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لفظی ترجمہ کا اصل فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو ہر لفظ کا ترجمہ آجائے اور آیت کے نیچے لکھے ہوئے ترجمے کو پڑھ سکے لیکن مولانا کے مطابق اس میں روحانی عبادت، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے کہ اس کے پڑھنے سے انسان کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے آنکھوں سے آنسو جاری نہیں ہوتے۔ ترجمہ پڑھتے وقت بعض اوقات انسان سوچتا ہے کہ کیا یہ وہی کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لئے دنیا بھر کو چیلنج دیا گیا اسی وجہ سے مولانا نے یہ روش اختیار کی لفظی ترجمہ سے پوری طرح متاثر نہ ہوسکے اس کی ایک وجہ اور بھی بیان کی کہ ترجمہ بالعموم بین السطور درج کیے جاتے ہیں دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک طرف کلام اللہ اور دوسری طرف ترجمہ لکھا جاتا ہے یہ طریقہ اس غرض کے تو عین مناسب ہے جس کی خاطر آدمی لفظی ترجمہ پڑھتا ہے کیونکہ اسطرح ہر لفظ ہر آیت کے مقابلے میں اس کا ترجمہ ملتا ہے لیکن نقصان یہ ہے کہ جس طرح دوسری کتابوں کو پڑھتا ہے ان سے اثر قبول کرتا اسی طرح ترجمہ قرآن کو نہ تو مسلسل پڑھ سکتے اور نہ اس سے اثر قبول کر سکتا ہے۔ اسی طرح بائبل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ الگ نمبر پر درج کیا جاتا ہے آپ کسی بہتر سے بہتر مضمون کو لے کر اس کے فقرے فقرے کو الگ کر دیں اور اوپر نیچے نمبر لکھ کر اسے پڑھیں آپ کو خود محسوس ہو جائے گا۔ ایک مربوط مسلسل عبارت سے جو اثر ہو سکتا ہے وہ جدا جدا سے نہیں ہو سکتا ہے۔ ایک اور بڑی وجہ جو مولانا نے لفظی ترجمہ کے غیر موثر ہونے کی بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے اس کو

منتقل کرتے وقت تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل نہ کیا جائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر ڈالا جائے تو یہ ساری عبارت غیر مربوط ہو کر رہ جاتی ہے یہ تو سب کو معلوم ہے دعوت اسلامی کے سلسلے میں حسب موقع وضرورت ایک تقریر نبی پر نازل کی جاتی تھی آپ خطبے کی شکل میں لوگوں کو سناتے تھے تقریر کی زبان اور تحریر کی زبان میں بہت بڑا فرق ہے ہے تقریر میں متکلم اور مخاطب بار بار بدلتے ہیں مقرر زور کلام میں موقع و محل کے لحاظ سے کبھی ایک ہی گروہ کا ذکر صیغہ غائب کرتا ہے اور کبھی اسے حاضر سمجھ کر براہ راست خطاب کرتا ہے کبھی واحد کا صیغہ بولتا ہے کبھی جمع کے صیغے کا استعمال کرتا ہے، لیکن کسی دوسری زبان میں قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے اگر تقریر کی زبان کو احتیاط کے ساتھ تحریر کی زبان میں تبدیل کیا جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ بے ربطی دور ہو سکتی ہے قرآن کی ہر سورت دراصل ایک تقریر تھی جو رسول پر نازل ہوئی اس کے مخصوص حالات تھے، کچھ ضرورتیں ہوتی تھیں جنہیں پورا کرنے کے لیے وہ اتری تھیں اگر اس سے الگ کرکے مجرد الفاظ کا ترجمہ آدمی کے سامنے رکھ دیا جائے تو بہت سی باتوں کو نہیں سمجھے گا باتوں کو الٹا سمجھے گا اصل قرآن میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا لیکن دوسری زبان میں ہم اتنی آزادی برت سکتے ہیں کہ لوگ قرآن کی ترجمانی کرتے وقت کلام کو کسی نہ کسی حد تک اس کے پیش منظر اسکے حالات کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں تاکہ ناظر کے لئے وہ پوری طرح بامعنی ہو۔

مولانا نے اس تصنیف میں قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کے بجائے کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم ان کی سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر انکے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان اپنی زبان میں منتقل کرے اور جس حد تک ممکن ہو احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس امر کا پورا اہتمام کیا کہ قرآن کی اپنی عبارت بیان کی جتنی آزادی دیتی ہے اور بیان کی اجازت دیتی ہے کہ سے تجاوز نہ کریں۔

۵) تصنیف شدہ تفسیر، تفسیر تفہیم قرآن کا تعارف

مشہور زمانہ تحریک اسلامی کے قائد مولانا ابو اعلی مودودی کی تصنیف شدہ تفسیر ۱۹۴۹ میں اشاعت پذیر ہوئی یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے پاک و ہند میں درجنوں ایڈیشن نکل چکے ہیں اس تفسیر کے لکھنے کے محرکات مصنف نے خود ان الفاظ میں بیان کیے ہیں، اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کے نظریات نہیں ہے

اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم میں دین کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ ایسے حضرات کے لیے بہت سے وسائل مہیا ہوں گے بلکہ یہ ان لوگوں کیلئے کوشش ہے جو علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ نہیں کر سکتے یہ ان کی قدرت میں نہیں ہے اسی لیے میں نے اس کو آسان زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔یہی اس تفسیر کا نمایاں وصف ہے۔قرآن کی جو آیات کائناتی حقائق سے متعلق ہیں ان پر بڑی عمدہ گفتگو کی گئی ہے اسی طرح واقعات جن کی تحقیق کے لیے علمی آثار اور تاریخی حقائق سے واقعیت مطلوب ہے ان کے بیان میں بہت اچھی طرح کوشش کی گئی ہے۔ مشرکین کے اعتراضات و شبہات کے رد میں بھی کافی کام ہے اس کو اس تفسیر کا نقطہ امتیاز قرار دیا جاسکتا ہے۔اسی طرح قرآن کا بائبل اور مذہبی صحائف سے تقابلی مقابلہ کیا ہے جہاں کہیں ضرورت پڑی وہاں بائبل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔پہلی دو جلدوں میں اختصار کی راہ اختیار کی ہے اور تفسیر وحدیث کے مراجع کی طرف کم التفات کیا ہے تیسری سے چھٹی جلد تک حدیث اور آثار بکثرت نقل کئے گئے ہیں۔اردو زبان میں یہ ترجمہ و تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے جبکہ دنیا کی کئی زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے۔

مولانا نے اپنی تفسیر کے متعلق کہا: میری ساری توانائیاں اور کوششیں حال کے لوگوں کی خدمت میں صرف ہو رہی ہیں مستقبل کے لوگوں کیلئے دیرپا کام میری تفسیر ہے"

اس عظیم کام کو انجام دینے کے لئے مولانا نے تیس سال مسلسل محنت کی اور اس دوران آپ مختلف مشکل ترین حالات سے گزرے۔ تفہیم القرآن کے آغاز میں مولانا کا خیال تھا کہ یہ دو جلدوں میں مختلف حواشی کے ساتھ مکمل ہو جائے گی اور اس کو مکمل کرکے وہ سیرت و حدیث پر کام کریں گے لیکن شروع کرنے کے بعد پہلی جلد سے آخری جلد تک مطالعہ مشاہدہ اور خیالات کی وسعت کی وجہ سے تفصیلات بھی بڑھتی گئی اور اس طرح چھ ضخیم جلدوں میں اس کام کی تکمیل ہو سکی۔ مولانا نے دیباچہ میں تحریر کیا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس غرض کے لئے میں محنت کرنا چاہتا ہوں وہ پوری ہو۔ تفہیم القرآن ایک سادہ تفسیر نہیں ہے بلکہ مولانا کی عمر بھر کے مشاہدات تجربات فکر وتدبر کا نچوڑ ہے اس میں مولانا نے قدیم وجدید فلسفہ، عمرانی علوم اور علوم شرعیہ کے متعلق جو بھی مطالعہ کیا اس سب کا اس تفسیر میں بھرپور استعمال کیا۔ مولانا ابوالاعلی مودودی کا طرز تحقیق بالکل سائنٹفک ہے وہ ہمیشہ اصلی ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں جب کوئی مشکل مقام آتا ہے تو لکھنے کا تسلسل

منقطع کرکے متعلقہ آیاتِ یا الفاظ کو سمجھنے کے لیے ہفتے یا مہینے صرف کر دیتے اور جب تک شرح صدر نہ ہو جائے اس وقت تک اسے تحریر نہ کرتے تفہیم القرآن نظم قرآن کا ایک منفرد تصور پیش کیا ہر سورہ کے تاریخی پس منظر اور مرکزی مضمون موضوعات کا تعین کیا فقہی احکام کی تشریح اور فقہی مکاتب فکر کا نقطہ نظر قرآن کریم کی مجموعی تعلیمات اور قرآن کے بتائے ہوئے نظام اخلاق و تمدن کے مجموعی خاکہ کی روشنی میں کام کی وضاحت کی عصر حاضر کے ہندوستانی اور پاکستانی مفسرین میں سے کسی نے بھی تفسیری مقاصد کی خاطر ارض القرآن کا سفر نہیں یہ شرف حضرت مولانا ابوالاعلی مودودی کے ہی حصے میں آسکا آپ نے وہاں جا کر بچشم ان چیزوں کو دیکھا اور سمجھا قدیم ناموں کی جدید ناموں سے تطبیق کی نقشے بنائے تفسیر تصویریں لیں اور تفہیم کی تیسری جلد میں ان تمام چیزوں کو شامل کیا اور مشاہدات کو ما حصل بیان کیا تقسیم ملک کے بعد پاکستان کے صاحب اقتدار طبقہ نے متعدد عنوانات کے تحت آپ کو کئی بار گرفتار کرکے قید کیا لیکن قید و بند میں بھی مولانا نے اس کام کو متاثر نہ ہونے دیا اور تسلسل کے ساتھ جاری وساری رکھا۔

فہرست مصادر

۱. قرآن کریم

۲. آزاد المعارف؛ ویکیپیڈیا، ابوالاعلی مودودی

۳. اسلامک ریسرچ اکیڈمی

۴. اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ابوالاعلی مودودی

۵. اسلامی ریاست، ابوالاعلی مودودی

۶. پردہ، ابوالاعلی مودودی

۷. جہاد فی لااسلام، ابوالاعلی مودودی

۸. خلافت و ملکیت، ابوالاعلی مودودی

۹. رموز بے خودیؑ، علامہ محمد اقبال

۱۰. فہم القرآن، ابوالاعلی مودودی

۱۱. مسئلہ جبر و قدر، ابوالاعلی مودودی

۱۲. نماز، ابوالاعلی مودودی

۱۳. نوائے وقت ۲۴ sep,۲۰۱۶

۱۴. Prr.hec.gov.pk

۱۵. Shodhgang.inflibnet.ac.in.bitstrea

مفسر قرآن حجت الاسلام والمسلمین آقای محسن قرائتی کی قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ

نویسندہ: سیدہ عدیلہ فاطمہ نقوی[1]

نظر ثانی: عون علی جاڑوی[2]

خلاصہ:

یہ تحقیق مفسر و مترجم قرآن حجت الاسلام والمسلمین آغا محسن قرائتی کی قرآنی و علمی خدمات کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ اس تحقیق میں ایک مقدمہ اور چند عنوانات بیان کیے گئے ہیں۔ مقدمہ میں مختصرا تحقیق کا موضوع اور مقصد بیان کیا گیا ہے۔

مقدمہ کے بعد اہداف تحقیق کو چار عنوانات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ان عنوانات میں آغاقرائتی کا تعارف،ان کی قرآنی خدمات کا جائزہ،ان کی لکھی گئی بعض کتب کا تعارف اور ان کی تصنیف تفسیر نور کا تعارف بیان کیا گیا ہے۔

پہلے عنوان کے تحت آغا قرائتی کے والد کا تعارف،آپ کی تحصیلات دینی،آپ کے اساتذہ، تفسیر نمونہ کے مفسران کے گروہ میں شمولیت، تفسیر نور کا آغاز اور تفہیم قرآن کے لیے آپ کی گراں مایہ خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔دوسرے عنوان کے تحت آپ کی چیدہ چیدہ قرآنی فعالیتوں کا تذکرہ ہے، تیسرے عنوان کے تحت آپ کی بعض کتب کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جبکہ آخری عنوان کے تحت آپ کی گراں مایہ تصنیف تفسیر نمونہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔آخر میں ان مصادر کی فہرست دی گئی ہے جن سے اس تحقیق میں استفادہ کیا گیا ہے۔

گو کہ یہ مختصر معلومات حجت الاسلام والمسلمین آغا محسن قرآئتی کے لازوال خدمات کے سامنے سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہیں البتہ اس تحقیق کے ذریعہ آپ کی بے مثال قرآنی و علمی خدمات خراج تحسین پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

[1] ۔ تفسیر اور علوم قرآن، ایم فل کی طالبہ، پاکستان

[2] ۔ کورس منیجر، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

کلیدی کلمات: قرائتی، قرآن، تفسیر، خدمات، زندگینامہ

مقدمہ

قرآن پاک کتاب ہدایت ہے۔ البتہ اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس معجزہ جاودانی کے مندرجات کا فہم و ادراک حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ خداوند متعال اپنی کتاب حکیم میں فرماتا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (قمر/۱۷) ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنایا تو کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟

اگرچہ یہ آسانی صرف ان افراد کے لیے ہے جو اس راہ میں سعی و کوشش کرتے ہیں کیونکہ خداوند متعال نے اپنی پاک کتاب میں ہی فرمایا ہے - "انسان کے لیے وہی چیز ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔

طول تاریخ میں اس مقدس کتاب کو عموم مسلمین (جن میں ایک بڑی تعداد غیر عرب افراد کی ہے) کے لیے قابل فہم بنانے کے لیے علماء حقہ نے بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ ان روشن ستاروں میں سے ایک حجت الاسلام والمسلمین آغا محسن قرائتی ہیں جنہوں نے فہم قرآن کو لوگوں کے لیے آسان بنانے میں بے مثال خدمات انجام دیں ہیں۔ زیر نظر تحقیق آغا محترم کی ان لازوال کاوشوں کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ البتہ یہ مختصر کاوش سمندر کے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس تحقیق میں ہم درج ذیل موضوعات کا جائزہ لیں گے۔

۱) اھداف تحقیق

۱۔ حجت الاسلام والمسلمین آغا محسن قرائتی کا مختصر تعارف
۲۔ تفہیم قرآن کریم کے لیے کی گئی آپ کی خدمات کا مختصر جائزہ
۳۔ تعلیمات اور اخلاق قرآنی کے موضوعات پر لکھی گی آپ کی کتابوں کا تعارف
۴۔ آپ کی تصنیف شدہ تفسیر، تفسیر نور کا تعارف

ا۔ حجت الاسلام محسن قرائتی کا تعارف

الف: حجت الاسلام والمسلمین آغا قرائتی کے والد محترم کا تعارف

آغا قرائتی سال ۱۳۲۴ ہجری میں ایران کے ایک شہر کاشان میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام علی نقی تھا۔آپ کے مرحوم دادا رضا خان کے زمانے میں (جو کہ ایک اسلام دشمن حکمران تھا) کاشان کے لوگوں کے لیے اپنے گھر میں قرآن کے درس کا اہتمام کیا کرتے تھے۔آپ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ اسی کام میں صرف کیا لہٰذا اسی مناسبت سے آپ کے خاندان کا نام قرائتی مشہور ہوا۔آپ کے دادا کی وفات کے بعد آپ کے والد محترم نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے گھر پر قرآنی دروس کے سلسلے کو جاری رکھا بلکہ مزید بڑھاتے ہوئے مساجد میں بھی اس سلسلے کا آغاز کیا۔اسی مناسبت سے آپ کے والد استاد قرائت کے عنوان سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والد جیسے ہی اذان کی آواز سنتے اپنی دکان کا دروازہ بند کرتے اور نماز اول وقت کے لیے مسجد کا رخ کرتے۔ انھوں نے اپنی کوششوں سے بہت سی مساجد کو آباد کیا اور ان میں قرآن کی تدریس کی بنیاد رکھی۔اپنے انہی کار ہائی خیر کی بدولت آپ کے والد کو خداوند متعال نے ایک مطمئن اور عرفان و حکمت سے پر روح عطا فرمائی تھی۔صرف ایک خیال جو ان کو مضطرب رکھتا تھا وہ یہ تھا کہ ۴۰ سال عمر گزرنے کے باوجود صاحب فرزند نہ ہوئے تھے۔یہاں تک کہ اسی دوران ان کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی،وہاں آپ نے اپنے پروردگار کے حضور ایک ایسے فرزند کی دعا کی جو مبلغ قرآن اور مبلغ دین خدا ہو۔خداوند متعال نے اپنے کرم سے آپ کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا اور آپ کو فرزند عطا فرمائے جن میں سے بعض مبلغ دین بنے۔ (qaraati.ir)

ب: تحصیلات دینی کا آغاز

آغا قرائتی نے ۱۴ سال کی عمر میں دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ا سال تک حوزہ کاشان میں پڑھنے کے دوران آپ مرحوم آیت اللہ حاج شیخ علی آقا نجفی قدس سرہ کے جلسات قرآنی میں شرکت کرتے رہے جس کی بدولت آپ کے دل میں قرآن کی محبت بیدار ہوئی جس کا چشمہ آج بھی جاری ہے۔آپ کے بیشتر مطالعات قرآن اور تفسیر قرآن سے متعلق تھے۔حتی جب آپ نے حوزہ علمیہ قم میں تحصیل علم کا آغاز کیا تو اپنے حوزوی دروس کے ہمراہ اپنے دوستوں کے ساتھ تفسیر مجمع البیان کے مباحثہ کا بھی آغاز کیا،اور جب آپ درس خارج میں پہنچے تو اپنے مطالعات

اور مباحثوں کو خلاصے کی صورت میں جمع کرنے کا لگے۔

ج: تفسیر نمونہ کے گروہ مفسران میں شمولیت

جب آغا ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ نے علماء وفضلاء کے ایک گروہ کے ہمراہ تفسیر قرآن کا آغاز کیا تو آپ نے اپنے نوشتے ان کی خدمت میں پیش کیے جن کو انھوں نے پسند کیا اور اس طرح آپ مفسران کے اس گروہ کا حصہ بن گئے۔ تقریبا ۱۵ سال کے عرصے میں تفسیر نمونہ کی ۲۷ جلدیں مکمل ہوئی، جو کہ آج کے دن تک مقبول عام ہے اور متعدد بار چھاپی جا چکی ہے۔اس تفسیر کا متعدد زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جا چکا ہے۔

د: آغاز تفسیر نور

جس وقت تفسیر نمونہ کی تصنیف تقریبا آدھی مکمل ہوئی تھی تب ایران میں انقلاب اسلامی کو کامیابی نصیب ہوئی اور آغا قرائتی نے شہید مطہری قدس سرہ کے مشورہ اور امام خمینی (رہ) کی اجازت سے ٹیلیویژن پر دروس قرآنی کا آغاز کیا۔اسی دوران آپ نے ریڈیو پر آئینہ وحی کے نام سے عموم مردم کے لیے آسان فہم دروس کا آغاز کیا جو کہ آج تک جاری ہیں۔اسی کے بعد دوستوں کے اصرار پر ریڈیو کے ان دروس کو اور اپنی لکھی گئی یاداشتوں کو جمع کرکے اور کچھ فضلاء کی مدد سے بازنویسی اور تدوین کرنے کے بعد تفسیر نور کے عنوان سے چھاپا۔

ھ: آقای قرائتی کے اساتذہ

آپ نے قم المقدس میں مدرسہ مرحوم آیت اللہ العظمی گلپایگانی قدس سرہ میں تحصیل علم کی اور اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ تعلیم مکمل کرکے واپس قم تشریف لائے۔آپ نے مجموعا ۱۶ سال کاشان، قم، مشہد اور نجف میں تعلیم حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں آیت اللہ صبوری دامت برکاتہ، مرحوم آیت اللہ حاج شیخ علی آغا نجفی دامت برکاتہ شامل ہیں۔

ح: تفہیم قرآن کے لیے آپ کی خدمات

آپ کے خیال میں اسلام اور قرآن کی تعلیمات ہر طبقہ اور ہر عمر کے افراد کے لیے یکساں ضروری ہیں اسی لیے آپ نے معاشرے کے ہر فرد خواہ وہ بچہ ہو جوان ہو یا بوڑھا ہو کے لیے قرآن کی تفہیم آسان کرنے کا عزم کیا، اور اسی لیے آپ نے ارادہ کیا کہ معارف قرآنی کو آسان اور سادہ زبان میں بچوں اور جوانوں تک پہنچایا جائے۔اسی لیے آپ کاشان واپس آئے اور ے افراد کے ساتھ اپنے تبلیغی برنامے کا آغاز کیا۔یہ کلاسیں نوجوانوں میں بہت مقبول ہوئیں ۔آپ ہر ہفتے ان کلاسوں کی خاطر قم سے کاشان تشریف لے جاتے تھے،آپ سوچتے تھے کہ قرآن میں دسیوں داستانیں موجود ہیں اور پیغمبر اکرم ص نے انہیں داستانوں کی مدد سے سلماان اور ابوذر جیسے افراد کی تربیت کی پس ہمیں بھی ان کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیے۔ان کلاسوں میں تعجب آور بات یہ تھی کی ایک عبا قبا والا شخص منبر پر جانے کے بجائے بلیک بورڈ اور چاک کے ذریعے پڑھا رہا ہے۔آغاز میں بعض افراد نے اعتراضات اٹھائے لیکن کیونکہ آغا قرائتی کو اپنے کام کی درستگی پر پورا ایمان تھا آپ نے ان اعتراضات پر کوئی توجہ نہیں دی اور گذشت زمان کے ساتھ ان کلاسوں کی مقبولیت کی بدولت اعتراضات محو ہوتے گئے۔

کاشان کے بعد قم المقدسہ میں بھی اسی روش پر کلاسوں کا آغاز کیا گیا۔ان کلاسوں کی افادیت اور تاثیر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دن آیت اللہ مشکینی دامت برکاتہ آپ کی کلاس میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آغا قرائتی آپ میرے ساتھ ایک معاملہ کرلیں۔آپ اپنی ان کلاسوں کا ثواب مجھے دے کر اس کے بدلے حوزہ میں پڑھائی میری کلاسوں کا ثواب لے لیں۔

شاہ کے دور حکومت میں آغا کو ٹیلیویژن پر ان دروس کے اجراء کی دعوت دی گئ لیکن آپ نے طاغوتی حکومت کا دست و بازو بننا قبول نہ کیا۔اپنے کام سے عشق کی بدولت آغا نے تقریبا پورے ایران میں سفر کیے اور تمام مناطق میں کلاسوں کا اجراء کیا۔انقلاب ایران کی کامیابی کے بعد جب آپ پہلی دفعہ ٹی وی پر وگرام کی ریکاڈنگ کے لیے گئے تو کارکنوں کی اکثریت کو قبلہ کی سمت بھی معلوم نہیں تھی۔انھوں نے آپ کے پروگرام میں بہت رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی اور جب کامیاب نہ ہوئے تو کہنے لگے کہ آپ روحانیت کے لباس میں پروگرام نہیں ریکارڈ کروا سکتے ہیں۔لیکن آغا نے انکی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں آپ کی رویہ کی شکایت امام خمینی (رہ) سے کروں گا تب وہ خاموش ہو گئے اور آغا نے لباس روحانیت میں ہی وہ پروگرام ریکارڈ کروایا اور سالوں سے یہ

پروگرام ٹی وی پر پیش کیا جارہا ہے۔اس پروگرام کی بدولت آپ امام خمینی (رہ) کے خصوصی لطف و عنایت سے مستفید ہوئے۔آپ نے ان پروگروں کے عوض کبھی حق الزحمت وصول نہیں کیا۔

۲۔آپ کی خدمات کا مختصر جائزہ

ویسے تو آپ نے تعلیمات قرآن کو فروغ دینے اور فرد فرد تک پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا البتہ آپ بعض خدمات کا ہم بالخصوص تذکرہ کریں گے۔(ویکی پیڈیا)

۱. نہضت سواد آموزی
۲. ستاد اقامہ نماز
۳. مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن
۴. بنیاد فرہنگی حضرت مہدی (عج)
۵. موسسہ ترویج فرہنگ قرآنی
۶. ستاد تفسیر قرآن کریم
۷. ستاد قرآن و معارف دینی
۸. ٹیلیویژن اور ریڈیو پروگرامز
۹. بچوں اور نوجوانوں کے لیے قرآن دروس قرآن
۱۰. تالیف کتب و تفسیر قرآن
۱۱. ٹی وی اور ریڈیو پروگرامز کے ذریعے تبلیغ دین

۳۔ تعلیمات اور اخلاق قرآنی کے موضوعات پر لکھی گی آپ کی کتابوں کا تعارف

حجت الاسلام آغا قرائتی کی علمی خدمات بے شمار ہیں البتہ ہم ان میں سے چند کا تذکرہ صرف نام کی حد تک کریں گے اور بعض اہم کتب کا تعارف پیش کریں گے۔

آپ کی تصنیفات میں بیشتر کے موضوعات قرآن سے متعلق ہیں جیسے کہ جہان وانسان از دیدگاہ قرآن، با قرآن در سرزمین وحی، دقائقی با قرآن، پرسش و پاسخ ہای قرآنی، تفسیر قرآن کریم (آیات برگزیدہ) ویژہ دانشگاہ، تفسیر نور، تفسیر سورہ الرحمٰن و واقعہ، پیام ہای قرآن برای جوانان، نہضت حسینی در پرتو قرآن، قرآن و غدیر، رمضان با قرآن، تمثیلات نور، تفسیر جزء ۳۰ وغیرہ۔ قرآنی عنوانات کے علاوہ چند کتب مثلا تفسیر نماز، ۱۱۴ نکتہ دربارہ نماز، آشنائی با نماز، پرتوی از اسرار نماز، پیوندہای نماز، اصول عقائد اسلامی، توحید، عدل، نبوت، امامت، معاد، گناہ شناسی، حج، امر بہ معروف و نھی از منکر، خاطرات حجت الاسلام والمسلمین قرائتی، مہارت معلّمی، نیم قرن تدریس و تبلیغ، سیمای مسکن و شہر اسلامی، سبک زندگی اسلامی وغیرہ۔ اب ہم ان میں سے چند کتابوں کا مختصر تعارف ذکر کرتے ہیں

الف) رمضان با قرآن

کتاب رمضان با قرآن کے مولف حجت الاسلام والمسلمین آغا محسن قرائتی ہیں۔ یہ کتاب تفسیر نور کی اساس پر ۳۰ دن ۳۰ درس کے عنوان سے لکھی گئی ہے جس کی جمع آوری علی محمد متوسلی نے کی ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۱۲۰ ہے۔ اس کتاب میں رمضان کریم کی مناسبت سے کلمات قرآن کی ترکیبات، تفسیری نکات اور آئمہ معصومین کے کلام سے لیے گئے بعض نکات کو ۳۰ دن کے لیے منظّم کیا گیا ہے۔ اس میں تقریبا ۳۰ عنوانات ہیں ۔روزہ، تدبر در قرآن، امتیازات قرآن، دعا، اہمیت نماز، نماز شب، امر بالمعروف و نھی عن المنکر، ماں باپ، ماموران الہی، ہجرت، اہل بیت، مودت اہل بیت، امامت و ولایت، امام زمان عج، شفاعت، گناہ و نافرمانی، توبہ، معاد، انفاق، مسجد، آداب اجتماعی، خاندان وغیرہ اس کتاب کے اہم عنوانات ہیں۔(qaraati.ir)

ب) پیام ہای قرآن برای جوانان

پیام ہای قرآن برای جوانان سورہ حمد اور سورہ بقرہ کی تفسیر پر مبنی کتاب ہے جس کے مولف ڈاکٹر محمود متوسل ہیں جو کہ پچھلے ۳۰ سالوں سے آغا قرائتی کی خدمت میں شرفیاب رہے ہیں اور متن تفسیر نور کی نگارش میں آغا قرائتی کے معاون بھی تھے۔اس کتاب کی تالیف میں مولف نے تفسیر نمونہ اور تفسیر نور سے استفادہ کیا ہے۔البتہ کیونکہ اس کتاب کے مندرجات کے مخاطب زیادہ تر غیر ملکی افراد تھے اس لیے زیادہ گہرے
اور فلسفی مطالب سے استفادہ نہیں کیا گیا۔آغا قرائتی کی ہدایت پر مولف نے اس کتاب پر نظر ثانی اور عنوان گذاری کی۔ یہ کتاب دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم نے چھاپی ہے اور ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں سورہ حمد اور سورہ بقرہ کی تمام آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

ج) نیم قرن تدریس و تبلیغ

کتاب نیم قرن تدریس و تبلیغ حجت الاسلام آغا قرائتی کی کتاب ہے جس کی تدوین حسین صنعت پور امیری نے کی ہے۔ موسسہ فرہنگی درسہایی از قرآن نے اس کتاب کو چھاپا ہے۔اس کتاب کے کل صفحات کی تعداد ۲۵۵ اور فصلوں کی تعداد ۵ ہے۔ فصل اول میں فردی خصوصیات کے متعلق بات کی گئی ہے،دوسری فصل میں مختلف روشوں اور مہارتوں کو بیان کیا گیا ہے، تیسری فصل میں محتوا یعنی content آمادہ کرنے کے متعلق راہنمائی کی گئی ہے،چوتھی فصل میں مخاطب کے حوالے سے سفارشات پیش کی گئی ہیں جبکہ پانچویں اور آخری فصل میں کچھ اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں آغا قرائتی کے تدریسی اور تبلیغی تجربات کی روشنی میں انتہائی مفید اور قابل استفادہ نکات بیان کیے گئے ہیں۔(noorlib.ir)

د) مہارت معلّمی

کتاب مہارت معلّمی کے مولف آغا قرائتی ہیں۔ یہ کتاب ۲۸۸ صفحات اور ۸ فصلوں پر مبنی ہے۔پہلی فصل کا موضوع ارزش و امتیاز کار معلّمی ہے،دوسری فصل میں صفات معلم بیان کی گئی ہیں، تیسری فصل میں معلم کے وظائف بیان کیے گئے ہیں،چوتھی فصل میں پرہیز ہای معلم یعنی وہ کام جو معلم کو کیسی صورت انجام نہیں دینے چاہیے اور پانچویں فصل میں معلم کی مہارتوں اور روشوں کے متعلق بات کی گئی ہے، چھٹی فصل محتوا سے متعلق ہے،ساتویں فصل میں مخاطب یعنی شاگرد کے حوالے سے راہنمائی کی گئی ہے اور آٹھویں یعنی آخری فصل

میں سایر اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں آغا قرائتی نےایک معلم قرآن کی راہنمائی کرتے ہوئے بہت خوبصورتی سے یہ بیان کیاہے کہ کس طرح ایک معلم قرآن درس قرآن کو دلچسپ اور دلوں میں نفوذ کرنے والا بناسکتاہے۔ (adinehbook.com)

ھ) نھضت حسینی درپرتو قرآن

اس کتاب کو آغا قرائتی نے روضے ہای قرآنی کا عنوان دیا ہے یعنی قرآنی مجالس۔اس کتاب کے کل صفحات کی تعداد ۱۵۲ ہے۔ان صفحات میں آغا قرائتی نے بہت خوبصورتی سے قیام امام حسینؑ کی وجوہات کا جائزہ قرآنی اصولوں کی روشنی میں لیا ہے۔سب سے پہلے آپ نے ہجرت، جہاداور حیات واقعی شہید پر روشنی ڈالی اور اس کے بعد اولی الامر کون ہے؟حرکت امام حسینؑ بر اساس قرآن، قیام برائے اصلاح جامعہ، جلوہ ہای قرآن در کربلا، کے موضوعات پر روشنی ڈالتے ہوئے عوامل حادثہ کربلا بیان کیے ہیں۔اس کے بعد آپ واقعہ کربلا میں شامل یاران امام حسینؑ کے یقین، کربلا میں خواتین کے کردار، اباالفضلؑ کے ایثار اور حضرت زینب س کے خطبات کے متعلق بیان کرتے ہیں۔اس کتاب کا سب سے خوبصورت اور منفرد حصہ وہ ہے جہاں آپ قرآن کی مختلف آیات کو شہدا کربلا کی مناسبت سے بیان کرتے ہیں مثلاوہ آیات جو حضرت علی اکبر س کی مجلس سے مناسبت رکھتی ہیں یا وہ آیات جو جناب قاسم کی شہادت سے مناسبت رکھتی ہیں اور آخر میں آپ نے شعر کی صورت میں بہت خوبصورتی سے امام حسینؑ اور بی بی زینب س کی تقسیم کار کو بیان کیا۔یہ کتاب اہل منبر و مجلس کے لیے یقینا بہترین انتخاب ثابت ہو سکتی ہے۔

و) سبک زندگی اسلامی

کتاب سبک زندگی اسلامی کو تفسیر نور کی اساس پر لکھا گیا ہے۔اس کے مدون علی محمد متوسلی ہیں۔اس کتاب کے کل صفحات ۱۵۶ ہیں۔مقدمہ میں قرآن کتاب زندگی کے عنوان سے انسانی زندگی کی تشکیل میں قرآن کی اہمیت اور ضرورت بیان کی گئی ہے۔کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا حصہ باورھا یعنی یقین یا اعتقادات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ رفتارھا یعنی عمل سے متعلق ہے۔اعتقادات کے حصہ میں خدا پر یقین، رسول خداﷺ اور آئمہ طاہرینؑ پر یقین، قرآن پر یقین، مشکلات کی حکمت اور فلسفہ پر یقین، قیامت پر یقین اور دشمن

شناسی کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے حصہ میں انفرادی طور پر مطلوب اعمال، انفرادی ناپسندیدہ اعمال، اجتماعی مطلوب اعمال، اجتماعی ناپسندیدہ اعمال، خاندان کے اخلاق کے لیے رول ماڈل اور اقتصاد کے مطلوب طریقہ کار کے حوالے سے مفصل بیان کیا گیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب مطالعہ کرنے والے کے سامنے اسلامی سبک زندگی کی ایک جامع تصویر پیش کرتی ہے۔ (adinehbook.com)

ز) سیمای انسان در قرآن

کتاب سیمای انسان در قرآن کو تفسیر نور کی اساس پر لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کی جمع آوری روح الہ فیض الھی نے کی ہے۔ اس کتاب میں کل ۲۷۲ صفحات اور ۹ فصلیں ہیں۔ فصل اول میں تخلیق انسان اور حضرت آدمؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے، فسل دوئم میں انسان کی آفرینش کے ہدف کا تذکرہ ہے، فصل سوئم میں نظام آفرینش میں انسان کے مقام کے متعلق بتاتی ہے، فصل چہارم انسان کے خدا سے رابطہ پر روشنی ڈالتی ہے، فصل پنجم انسان اور دوسری مخلوقات کے متعلق بیان کرتی ہے، فصل ششم میں ابعاد وجودی انسان کا تذکرہ ہے، فصل ہفتم میں فطرت انسان کے حوالے سے بات کی گئی ہے، فصل ہشتم میں اختیار اور قدرت انسان پر بات کی گئی ہے جبکہ فصل نہم یعنی آخری فصل میں مراحل و مراتب حیات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب قرآن کی رو سے انسان کامل کی مکمل تصویر کشی کرتی ہے۔ (qaraati.ir)

ح) اخلاق آموزش

کتاب اخلاق آموزش کے مولف آغا قرائتی ہیں۔ اس کتاب کا ناشر مرکز فرہنگی درسہایی قرآن ہے۔ کل صفحات کی تعداد ۱۲۰ ہے۔ مقدمہ میں تعلیم و تربیت کی اہمیت اور طول تاریخ میں دانشمندان اسلامی کی آداب تعلیم و تربیت کے زمینہ میں کی گئی کاوشوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ۵ موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے جس میں ارزش تعلیم و تربیت، اخلاق آموزش، اخلاق پژوہش، منش و رفتار استاد اور رابطہ استاد و شاگرد شامل ہیں۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں یہ کتاب ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ (qaraati.ir)

ط) قرآن و متولیان فرہنگی

حجت الاسلام آغا محسن قرائتی کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اسے آیات قرآن کے تناظر میں واضح کیا، مورد نظر کتاب بھی اسی خصوصیت کی حامل ہے۔اس کتاب میں آپ نے مسئولین فرہنگی کے لیے راہنما اصول بیان کیے ہیں جن کو قرآنی آیات سے لیا گیا ہے۔اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۱۳۱ ہے اور اس میں ۲۰۰ قرآنی آیات کے تحت مسئولین فرہنگی کے لیے ۲۰۰ اصول بیان کیے ہیں جو کہ یقینا قابل استفادہ ہیں۔

ی) تمثیلات نور

یہ کتاب بھی تفسیر نور سے حاصل شدہ مطالب کی بنیاد پر تحریر کی گئی ہے جس کی جمع آوری سید رضا موسی کاظمی نائینی نے کی ہے۔اس کتاب کے کل صفحات کی تعداد ۱۴۱ ہے۔اسے مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن نے سال ۱۳۸۷ میں نشر کیا ہے۔اس کتاب میں قرآن مجید کی متفرق آیات میں بیان شدہ مثالوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ان مثالوں کو خداوند متعال نے معارف الٰہی کی تفہیم کو آسان بنانے کے لیے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔جیسا کہ حق کو شجرہ طیبہ اور باطل کو شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے اور بتوں اور طاغوت کو مکڑی کے گھر سے مشابہہ قرار دیا ہے۔سید رضا موسی نے آغا قرائتی کے دروس میں بیان شدہ دلچسپ قرآنی تمثیلات کو کتاب کی صورت جمع کیا ہے۔(محسن قرائتی، مرکز فرہنگی درس ہایی از قرآن)

۴. آپ کی تصنیف شدہ تفسیر، تفسیر نور کا تعارف

علماء اسلام نے کلام پاک کو لوگوں کے سیکھنے اور سمجھنے کے لیے آسان بنانے کی لاتعداد کاوشیں کیں ہیں لیکن کلام الٰہی کیونکہ معجزہ جاودانی ہے اس لیے تمام کوششوں کے باوجود مزید بہتر کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے۔بہت سے علماء وفضلاء نے قرآن کریم کی تفسیریں تحریر کی جن میں سے ایک قابل قدر تفسیر، تفسیر نور ہے۔ تفسیر نور حجت الاسلام والمسلمین آغا قرائتی کی گراں مایہ کاوش ہے جو کہ مختصر نکات کی صورت میں آیات قرآن کی تفسیر بیان کرنے کے منفرد اسلوب کی حامل ہے۔یہ تفسیر ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔۱۹۹۷ میں اس تفسیر کو اسلامی جمہوری ایران کے صدر نے "Book of the year" کے ایوارڈ سے نوازا۔اس تفسیر کو لکھنے کے لیے آغا قرائتی

نے مختلف قدیم تفاسیر سے استفادہ کیا جن میں تفسیر مجمع البیان، تفسیر الکبیر (الرازی)، تفسیر نور الثقلین، روح المعانی، تفسیر المیزان، فی زلال القرآن۔ تفسیر صافی، اتیاب البیان، تفسیر نمونہ اور تفسیر راہنما شامل ہیں۔ان تفاسیر کے علاوہ انھوں نے دوران تحصیل کیے گئے ذاتی مباحثوں کی یاداشتوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس تفسیر میں مصنف پہلے مورد نظر آیت کا ترجمہ کرتے ہیں پھر شان نزول بیان کرتے ہیں،اسکے بعد کچھ سوالات اٹھاتے ہیں جو کہ ممکن ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں پیدا ہوئے ہوں ، پھر وہ ان سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور سب سے آخر میں آیات سے اخذ شدہ نتائج کو نکات کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

ایران میں اس تفسیر کو چھاپنے والا ادارہ موسسہ در راہ حق قم اور پاکستان میں اس کا ناشر ادارہ نشر و معارف اسلامی لاہور ہے۔اردو زبان میں اس گرانقدر تفسیر کا ترجمہ مولانا محمد علی فاضل نے کیا ہے۔آغا قرائتی نے مقدمہ تفسیر نور میں بیان کیا ہے کہ پہلے ۵ پاروں کی تفسیر میں حجت الاسلام دہ شہری اور حجت الاسلام جعفری نے ان کے ساتھ تعاون فرمایا اور پانچویں سے سولھوں پارے کی تفسیر میں حجت الاسلام سید جواد بہشتی اور حجت الاسلام شیخ جواد متوسل نے اس مقدس مشن میں ان کے ساتھ تعاون فرمایا۔(محسن قرائتی، تفسیر نور، تہران ، ۱۳۹۶)

اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات

۱۔اس تفسیر میں فنی، ادبی، فقہی، کلامی اور فلسفی اصطلاحات سے گریز کیا گیا ہے کیونکہ ان کا تعلق کسی ایک گروہ کے ساتھ خاص ہے اور صرف قرآن مجید کے دروس کو لکھا گیا ہے جو دنیا کی زندہ زبانوں میں ترجمہ کے قابل ہیں اور پیغام کی صورت بن سکتے ہیں۔

۲۔ تفسیر بالرای سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف قرآنی آیات اور اہلبیت عصمت و طہارتؑ کی روایات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۔ بیشتر پیام و دروس کو شیعہ اور سنی کی معتبر تفسیروں سے لیا گیا ہے اور بعض مقامات پر آغا قرائتی کے اپنے یا ان کے ہمکاروں کے نکات کو پیش کیا گیا ہے۔

۴۔اس تفسیر کی ایک نمایاں خصوصیت عام فہم ہونا ہے کیونکہ قرآنی آیات سے حاصل شدہ مطالب کو نکات کی صورت پیش کیا گیا ہے اور لمبی چوڑی وضاحتوں سے اجتناب کیا گیا ہے اس لیے اسے عام انسان بھی باآسانی سمجھ

سکتا ہے۔
۵۔یہ تفسیر نہ صرف خود کثیر افراد کے لیے قابل استفادہ ہے بلکہ اس کی بنیاد پر بہت سی کتب بھی تحریر کی گئی ہیں جن میں مختلف موضوعات کے لیے اس تفسیر میں بیان کردہ نکات قرآنی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

نتیجہ :

مختصر یہ کہ حجت الاسلام آغا قرائتی کی یہ گراں مایہ تصنیف لائق ستائش ہے۔ان کی قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی کاوشیں قابل تحسین ہیں۔جس طرح انھوں نے عام زندگی سے متعلق موضوعات کو قرآنی آیات کے ذریعے واضح کیا ہے یہ ایک بہت ہی منفرد اسلوب ہے۔انکی کتب مخصوصا تفسیر نور ایک خوبصورت اور قابل استفادہ تفسیر ہے جو کہ اپنے سادہ اور عام فہم انداز بیان کی بدولت مقبول عام قرار پائی۔خداوند متعال کتاب مجید کو سب تک پہنچانے کی ان کی تمام کوشوں کے لیے آغا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اپنی بات کا اختتام امام سجادؑ کے الفاظ سے کرتے ہیں جو کہ صحیفہ سجادیہ کی دعائے ختم قرآن میں ذکر ہوئے ہیں امام عالی مقامؑ فرماتے ہیں: "قرآن ایسا ترازوئے عدل ہے کہ حق بیان کرنے سے جس کی زبان قاصر نہیں ہے"

فہرست مصادر

۱. قران مجید
۲. نہج البلاغہ
۳. صحیفہ سجادیہ
۴. پورامیری، حسین صنعت، نیم قرن تدریس و تبلیغ، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن ۱۳۷۵، تہران
۵. زندگی نامہ آغا قرائتی
۶. قرائتی، محسن، اخلاق آموزش، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن ۱۳۷۵، تہران
۷. قرائتی، محسن، تمثیلات نور، مرکز فرہنگی درسہایی قرآن، تہران، ۱۳۷۵
۸. قرائتی، محسن، رمضان با قرآن، موسسہ فرہنگی درسہایی از قرآن، ۱۳۹۲، تہران
۹. قرائتی، محسن، سیمای انسان در قرآن، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن ۱۳۷۵، تہران
۱۰. قرائتی، محسن، قرآن و متولیان فرہنگی، ستاد اقامہ نماز، تہران، ۱۳۹۶
۱۱. قرائتی، محسن، مہارت معلّمی، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن ۱۳۸۹، تہران
۱۲. قرائتی، محسن، نہضت حسینی در پرتو قرآن، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن، تہران، ۱۳۹۷
۱۳. قرائتی، محسن، تفسیر نور، ۱۳۹۶، تہران
۱۴. متوسل، محمود، پیام ہای قرآن برای جوانان، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن ۱۳۷۵، تہران
۱۵. متوسلی، علی محمد، سبک زندگی اسلامی، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن، تہران
۱۶. ویکی پدیا